اجتماعی تقویٰ

خرم مراد

منشورات

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب : اجتماعی تقویٰ

مصنف : خرم مراد

طبع اول : نومبر ۲۰۰۲ء

تعداد : ۸۰۰۰

ناشر : منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ ۵۴۵۷۰

فون: ۵۴۲۵۳۵۶ فیکس: ۰۴۲۔۵۴۳۲۱۹۴

ای میل: manshurat@hotmail.com

قیمت : ۵/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقویٰ سوچ اور عمل کی وہ روش ہے جو دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔

اللہ کی کتاب اور جو کچھ اللہ کے رسولؐ نے کہا ہے اور ہدایت دی ہے اس کا مقصد بھی تقویٰ پیدا کرنا اور متقی بنانا ہے۔ قرآن مجید اُن کے لیے کتابِ ہدایت ہے جو اپنے اندر تقویٰ کی صفت رکھتے ہوں۔ اس کے ایک معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اس کی ہدایت حاصل کرنے کے لیے، اس کی راہ پر چلنے کے لیے، تقویٰ ضروری اور ناگزیر ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ کتاب اصل میں متقی بنانے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

تقویٰ

تقویٰ کو ہم سب جانتے اور پہچانتے ہیں اور مختلف طریقوں سے اس کا تصور اور تاریخ ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ عربی کے جس لفظ (وقایۃ) سے نکلا ہے اس کے معنی ''بچنے'' کے ہیں۔ اسی سے تقویٰ کا لفظ نکلا ہے اور تقویٰ کے لغوی اور اصطلاحی معنی یہ ہوں گے کہ اپنے آپ کو بچالو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں کسی بھی نقصان دہ اور ضرر رساں چیز سے بچنا، ودیعت کیا ہے۔ جو چیز بھی ہمیں نقصان پہنچاتی ہو، اس سے ہم بچنا چاہتے ہیں اور بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو ہماری پوری زندگی کا تانا بانا انھی دو

یزوں سے بُنا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو ان چیزوں سے بچائیں جن کو ہم اپنے لیے نقصان دہ سمجھتے ہوں' اور دوسرے یہ کہ ان چیزوں کو حاصل کیا جائے جن میں ہم اپنے لیے نفع اور فائدہ دیکھتے ہوں۔ نفع اور نقصان کا پیمانہ مختلف ہوسکتا ہے لیکن مومن ہو یا کافر' انسان کی فطرت میں یہی دو جذبات موجزن رہتے ہیں' اور زندگی کی ساری سوچ اور سارا عمل ان ہی دو چیزوں سے متعین ہوتا ہے۔ جس چیز سے جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچتا ہو' آدمی اس کے خلاف دفاع کرتا ہے اور اپنے آپ کو بچاتا ہے' اور جہاں بھی وہ نفع دیکھتا ہے--- پڑھنے لکھنے میں' کیریئر بنانے میں' تجارت میں' دوسروں پر اپنا حکم جتانے اور اپنی عزت بنانے میں--- اس کے لیے وہ کام کرتا ہے۔

ایک لحاظ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تقویٰ دراصل ایک منفی صفت ہے جو اپنے آپ کو اُن چیزوں سے بچانے کا نام ہے جو نقصان پہنچانے والی ہوں۔ جب آدمی اپنے منصوبے کو ہر اس چیز سے بچالے جو اس کو نقصان پہنچانے والی ہو' تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔ اگر کسان بیج ڈال کر اپنی کھیتی کو ہر اس آفت سے بچالے جو کھیتی کو نقصان پہنچاسکتی ہو تو کھیتی لہلہا اٹھے گی اور فصل بھی دے گی۔ اس لحاظ سے تقویٰ دراصل اپنی پوری زندگی کو اچھے اعمال سے بھر دینے کا نام بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اچھے اعمال کو اختیار کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ کم سے کم آدمی ان چیزوں سے رک جائے جو نقصان پہنچانے والی ہوں۔

لغوی معنوں کے لحاظ سے دین میں تقویٰ کا تصور اس لحاظ سے وسیع اور جامع ہے کہ اس میں اُن چیزوں سے بچنا پیش نظر ہے جو زندگی کے مقصد کے خلاف ہوں۔ اگر زندگی کا مقصد اللہ کی بندگی اور اس کی رضا و جنت کی طلب ہے تو ہر وہ کام اور ہر وہ بات جس سے اس راہ میں رکاوٹ پڑتی ہو' جس سے یہ منزل کھوٹی ہوتی ہو' جس چیز

سے اس منصوبے کو اور زندگی کے اس مشن اور کیریئر کو کہ آخرت بنے' اللہ کی رضا حاصل ہو اور وہ خوش ہو جائے' نقصان پہنچتا ہو' اس سے بچنا دراصل تقویٰ ہے۔ اسی لیے تقویٰ کا اظہار اگرچہ پوری زندگی میں ہوتا ہے لیکن فی الواقع اس کی جڑ انسان کے دل میں ہوتی ہے۔ دل میں اگر خدا کی بندگی' اس کی محبت' اس کی جنت کی طلب' اس کی آگ کا احساس اور اس سے بچنے کی تڑپ موجود ہو تو پھر وہ استعداد' صلاحیت اور قوت پیدا ہوتی ہے جس سے ہم اپنے آپ کو ان چیزوں سے روک سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تقویٰ تو دراصل دل کا تقویٰ ہے۔ جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں' ان کے بارے میں فرمایا: أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط (الحجرات ۴۹:۳) ''درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے''۔

نبی کریمؐ کا بھی ایک ارشاد ہے' ایک طویل حدیث میں' جس میں آپؐ نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے حقوق شمار کرائے ہیں اور پھر آپؐ نے فرمایا: التقویٰ ھاھنا' تقویٰ یہاں ہے۔ تین مرتبہ آپؐ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ فرمایا کہ تقویٰ دراصل یہاں ہے۔

تقویٰ کے اس جامع تصور کی اصل بنیاد دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ اللہ موجود ہے اور کوئی کام ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اس کو ناراض کرنے والا ہو۔ ہر وقت یہ دھیان لگا رہے اور خیال رہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اگر کبھی اس سے غفلت ہو جائے جو زندگی میں بالکل ممکن ہے' تو پھر لوٹ کر اسی کی طرف آ جائے۔ جیسے ہی ہوش آئے' تنبیہ ہو یا خیال آ جائے کہ میں کوئی ایسا کام کر گزرا ہوں جو اُس کی مرضی کے خلاف تھا' تو وہ فوراً پلٹ آئے' یہ بھی تقویٰ میں سے ہے۔ تقویٰ کی صفت یہ نہیں ہے کہ آدمی

کبھی کوئی غلطی ہی نہ کرے' بلکہ تقویٰ یہ ہے کہ اگر کبھی غلطی ہو جائے تو وہ لوٹ کر واپس اپنی اصل کی طرف آ جائے۔ بدقسمتی سے یہ بنیادنگاہوں سے محو ہوگئی اور تقویٰ کا یہ تصور جو پوری زندگی پر حاوی ہے' آہستہ آہستہ کم ہوتا گیا اور بالآخر چند ظاہری مراسم تک محدود ہوگیا۔ وضع قطع' اٹھنا بیٹھنا' آداب' بس ان تک تقویٰ کا تصور محدود ہو کر رہ گیا۔

اجتماعی تقویٰ

ہم نے اس موضوع میں ''اجتماعی تقویٰ'' کے لفظ کو اختیار کیا ہے مگر یہ لفظ قرآن وسنت میں نہیں پایا جاتا۔ اس لحاظ سے یہ ایک نیا لفظ ہے' اور نیا لفظ اختیار کرنے کی کوئی نہ کوئی غرض ہونی چاہیے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ تقویٰ کی زندگی کا وہ دائرہ جو اجتماعیت سے تعلق رکھتا ہے ہم اس کے بارے میں کچھ گفتگو کریں۔ اس لیے کہ یہ ایک ایسا دائرہ ہے جو عموماً نگاہوں سے محو ہو چکا ہے اور تقویٰ کے حدود سے بھی باہر نکل چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حرام وحلال کا تصور بھی بہت محدود ہوگیا ہے۔ ہم جب حرام اور حلال کا لفظ بولتے ہیں تو حرام کے ساتھ ہمارے ذہن میں سود' شراب' زنا اور مالِ حرام' اس قسم کی چیزیں تو آتی ہیں لیکن ذہن میں یہ بات بہت کم آتی ہے کہ معاملات میں' اور انسانوں کے ساتھ تعلقات میں' اور حقوق وفرائض کی ادائیگی میں بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو حرام ہیں اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو نماز اور زکوٰۃ کی طرح فرض کی گئی ہیں۔ خون بہانا' کسی کا حق مارنا' حسد کرنا' یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ غیبت کرنا بھی حرام ہے۔ مردار کھانا یقیناً حرام ہے' اس لیے کہ قرآن نے کہا ہے کہ یہ حرام ہے۔ اسی طرح سور کا گوشت بھی حرام ہے لیکن غیبت کرنا بھی مردار گوشت کھانے کے برابر ہے' اس لیے وہ بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح دیگر چیزیں حرام ہیں۔ لیکن شراب کا جام دیکھ کر تو ہمارے اندر ایک کراہیت اور تنفر کی

کیفیت پیدا ہوتی ہے اور کوئی مسلمان یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ شراب کے جام کو ہاتھ لگائے یا سور کا گوشت کھائے یا وہ کوئی اور اس قسم کی بات کرے' اس لیے کہ یہ حرام ہیں' ان کو حدیث میں بھی حرام ٹھیرایا گیا اور قرآن میں بھی حرام کیا گیا ہے' لیکن ہم غیبت کو اس طرح سے حرام نہیں سمجھتے ہیں۔

درحقیقت اگر قرآن یہ کہہ دے کہ یہ مت کرو تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے۔ سود کے بارے میں اس نے یہ کہا ہے کہ سود مت کھاؤ' تو سود حرام ہو گیا۔ شراب کے بارے میں کہا گیا کہ شراب کے قریب مت جاؤ تو شراب حرام ہو گئی۔ زنا کے بارے میں اس نے کہا کہ زنا کے قریب مت جاؤ تو زنا حرام ہو گئی۔ اسی طرح اس نے کہا کہ تجسس مت کرو' بدگمانی مت کرو' غیبت مت کرو' کسی کا تمسخر مت اڑاؤ' برے القاب سے مت پکارو' اور گالیاں نہ دو' یہ سارے کے سارے احکام بھی ویسے ہی احکام ہیں' جس طرح قرآن میں نماز پڑھنے کا حکم ہے' زکوٰۃ دینے کا حکم ہے' چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے' شراب سے رک جانے کا حکم ہے اور سود نہ کھانے کا حکم ہے۔ ان کے درمیان قرآن مجید نے کوئی فرق نہیں کیا ہے' لیکن چونکہ یہ مشکل کام ہیں اس لیے آہستہ آہستہ یہ تقویٰ کی تعریف سے بلکہ حرام چیزوں کی تعریف سے بھی خارج ہوتے گئے اور آج کا ایک مسلمان جو اللہ کے دین کی پابندی کر رہا ہو وہ یہ تو نہیں سوچتا کہ میں شراب پی لوں' یا سور کا گوشت کھالوں مگر اس کو غیبت کرنے میں' جھوٹ بولنے میں' کسی کا حق مارنے میں' کسی کے ساتھ بدعہدی کرنے میں' کسی کے ساتھ برا سلوک کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی۔ ان گناہوں کے ارتکاب پر اس کے ضمیر میں معمولی سی خلش بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے اندر سے نفرت کی کوئی لہر اس طرح سے نہیں اٹھتی جس طرح کہ اور چیزوں کے بارے میں ہوتی ہے۔ چونکہ تقویٰ کا یہ پہلو اجتماعی زندگی سے متعلق ہے' اس لیے ہم نے ''اجتماعی تقویٰ'' کی اصطلاح وضع کر کے

اس کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کی جتنی بھی اس نے تعریفیں کی ہیں ان کے اندر یہی پہلو سب سے اہم اور نمایاں ہے جس کو اس نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ سورۃ البقرہ کی یہ مشہور آیت کہ:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ..... وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۱۷۷) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف' بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر' مسکینوں اور مسافروں پر' مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں' اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

قرآن مجید نے جہاں جہاں بھی احکام کا ذکر کیا ہے' نکاح و طلاق کے احکام ہوں یا وراثت کے' یا اجتماعی زندگی سے متعلق' وہاں یہی کہا کہ اللہ کے رسولؐ سے اپنے آپ کو آگے نہ بڑھاؤ۔ واتقوا اللّٰہ ''اللہ سے تقویٰ اختیار کرو''۔ اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو' یہ بھی تقویٰ کی نشانی ہے۔ مجلس میں کہا جائے کہ پھیل جاؤ تو پھیل جاؤ' اور اگر کہا جائے کہ سکڑ جاؤ تو سکڑ جاؤ۔ جب کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جاؤ' یہ بھی بڑی نیکی ہے۔ یہ معمولی نیکیاں نہیں ہیں۔ یہ بھی اجتماعی اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں۔ پھر وہ حکمران جو دوسروں پر جبر و استبداد کرتے ہیں ان کے لیے بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس کے خلاف بھی قرآن مجید نے ساری باتیں کھول کے بیان کی

ہیں۔ اللہ کے جو نبی بھی آئے انھوں نے جہاں اس بات کی دعوت دی کہ اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے وہاں قرآن مجید نے ایک تواتر سے ہر نبی کی یہ دعوت بھی نقل کی ہے کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (اٰل عمرٰن ۳:۵۰) اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ گویا اس کتاب سے مستفید ہونے کے لیے تقویٰ لازمی اور ناگزیر ہے۔

اجتماعی تقویٰ کی اہمیت

اجتماعیت کے مختلف پہلو الگ الگ شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اجتماعیت کا ایک پہلو آدمی اور آدمی کے درمیان تعلقات اور معاملات ہیں' اور اگر غور کیا جائے تو یہ ایک ایسا دائرہ ہے جس کی حدود میں زندگی کا بیشتر حصہ آجاتا ہے۔ ماں باپ' بھائی بہن' دوست احباب' محلے والے' کاروبار کے ساتھی' سب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ ایک دوسرا پہلو وہ تعلق ہے جو اجتماعیت سے آدمی کا قائم ہوتا ہے۔ اپنے ذمہ داروں سے تعلق خواہ وہ حکمران ہو یا کسی کمپنی کا مالک' یا کسی تنظیم کا سربراہ' جو بھی ذمہ داران ہوں' ان کے اپنے سے نیچے والوں سے تعلقات ہوں یا نیچے والوں کے اوپر والوں سے تعلقات یا ایک پوری اجتماعیت سے آدمی کے تعلقات ہوں--- یہ سب کے سب اجتماعی تقویٰ کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہی دراصل وہ اجتماعی تقویٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہی اور مسئولیت کے لیے سب سے زیادہ نازک مقام ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے اور اسے حضرت عائشہؓ نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اعمال تین رجسٹروں کی شکل میں پیش ہوں گے۔ ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہیں کرے گا' ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہوگا جس کی اسے کوئی پروا نہیں ہوگی' اور ایک اعمال کا رجسٹر وہ ہوگا جس کا حساب لیے بغیر وہ نہیں

چھوڑے گا۔ پہلا رجسٹر شرک سے متعلق ہے۔ شرک کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے رجسٹر میں وہ چیزیں ہیں جو آدمی نے اپنے نفس کے اوپر ظلم کیے۔ اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے یا اللہ سے' مثلاً نماز چھوٹ گئی' یا اس میں کوتاہی ہوگئی' یا روزے میں کوئی کوتاہی ہوگئی۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کی اللہ کو کوئی پروا نہیں ہوگی۔ یہ بھی آدمی کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اگر وہ چاہے گا تو معاف کر دے گا اور اگر چاہے گا تو اس پر حساب لے لے گا۔ لیکن جو تیسرا رجسٹر ہے' یہ ان معاملات کا ہے جو انسان اور انسان کے درمیان ہیں اور یہی دراصل اجتماعی معاملات ہیں۔ یہی وہ رجسٹر ہے جس کا حساب لیے بغیر وہ ہرگز نہیں چھوڑے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعی تقویٰ کا معاملہ سب سے نازک معاملہ ہے' دنیا میں بھی اور آخرت کی نجات کے لیے بھی۔

نبی کریمؐ نے مختلف انداز میں اپنے صحابہ کے ذوق اور ان کے مزاج کے پیش نظر ان کی سوچ کی تعمیر اس طرح کی کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ انسان اور انسان کے درمیان معاملات دراصل تقویٰ کا وہ دائرہ ہے جس میں ان کو سب سے زیادہ ہوشیار رہنے اور سب سے زیادہ اپنی خبر گیری کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اس لیے کہ اس کا مداوا نہیں ہوسکتا نہ عبادات ہوسکتی ہیں اور نہ کوئی دوسری نیکیاں۔ چنانچہ آپؐ نے ایک دفعہ ایک بہت ہی خوب صورت مثال کے ذریعے اپنے اصحاب سے یہ پوچھا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ مفلس تو ہم اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ اور دنیا کا مال و متاع نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز' روزہ اور صدقات کی بہت ساری نیکیاں لے کر آئے گا لیکن اس حال میں آئے گا کہ کسی کو گالی دی ہوگی' کسی کے اوپر بہتان لگایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا' کسی کا مال کھایا ہوگا اور کسی کا حق مارا ہوگا۔ سارے دعوے دار وہاں پر کھڑے ہو جائیں گے' ان کے دعوؤں کا تصفیہ کیا جائے گا اور قصاص دلوایا جائے گا۔ اس کے بعد

اس کی نیکیاں لے کر ان لوگوں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ آپؐ نے پورا منظر کھینچ کر دکھا دیا کہ اِس دعوے دار کو نیکیاں دے دی جائیں گی' اُس دعوے دار کو نیکیاں دے دی جائے گی' اس لیے کہ وہاں سوائے نیک اعمال کے کوئی اور کرنسی نہیں ہوگی کہ جس کے تحت آدمی کے اعمال کا فیصلہ ہو۔ جب اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو دعوے داروں کی برائیاں اور گناہ لے کر اس کے سر پر ڈال دیے جائیں گے اور بالآخر وہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے اسی بات کو مزید موثر انداز میں یوں بیان فرمایا کہ آدمی جب اپنے اعمال نامے پر نگاہ ڈالے گا اور نیکیاں دیکھے گا تو سمجھے گا کہ میں تو نجات پا گیا یہاں تک کہ دعوے دار کھڑے ہو جائیں گے۔ جب دعوے دار دعویٰ کرنا شروع کر دیں گے اور ایک ایک دعوے کا تصفیہ کیا جائے گا اور فیصلہ صادر ہوگا تو آخر میں معلوم ہوگا کہ نیکیوں کا سارے کا سارا ذخیرہ تو دوسروں کی نذر ہو گیا اور اپنے پاس کچھ بھی نہیں رہا کہ جس پر آخرت میں نجات کا سامان ہو۔ لہٰذا آخرت میں بھی اس کی اہمیت ہے اس لیے کہ کوئی عبادت بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ دین نے جو قدروں کا پیمانہ دیا ہے اس میں اسی کو سب سے اہم بات کے طور پر رکھا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ کے سامنے دو عورتوں کا ذکر کیا گیا اور کہا گیا کہ ایک عورت تو بہت نمازیں پڑھتی ہے' صدقہ دیتی ہے' روزے رکھتی ہے لیکن اس کے پڑوسی اس کی بدزبانی سے تنگ ہیں۔ اس کا کیا انجام ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ھی فی النار ''یہ جہنم میں جائے گی''۔ ایک دوسری عورت کا ذکر ہوا کہ وہ فرض نمازیں پڑھ لیتی ہے' کچھ پنیر کے ٹکڑے صدقہ کر دیتی ہے' رمضان کے روزے رکھ لیتی ہے اور کوئی خاص عبادات نہیں کرتی۔ لیکن یہ کہ پڑوسی اس کی خوش کلامی اور شیریں بیانی سے بہت خوش ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ھی فی الجنۃ ''یہ جنت میں جائے

گی''۔

ایک اور واقعہ احادیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ ایک صاحب حضورؐ کی مجلس میں آئے اور اٹھ کر چلے گئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی کو جنتی کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے جب یہ سنا تو ان کو یہ شوق ہوا کہ وہ جا کر یہ معلوم کریں کہ آخر وہ کیا چیز ہے کہ جو اِن کو جنت میں لے جانے والی ہے اور یہ کہہ دیا گیا ہے کہ اگر جنتی کو دیکھنا ہو تو ان کو دیکھ لو۔ ان کو جنت میں جانے کا شوق تھا' اس کی تلاش میں رہتے تھے۔ وہ ان کے پاس گئے' کوئی بہانہ کیا اور کہا کہ میری گھر میں لڑائی ہوگئی ہے' ناراضی ہوگئی ہے' اس لیے میں آپ کے پاس کچھ وقت کے لیے رہنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ شوق سے ٹھیر جائیں۔ انھوں نے دیکھا کہ رات آئی اور پوری رات گزر گئی یہاں تک کہ فجر کا وقت آ گیا۔ انھوں نے کھڑے ہو کر تہجد نہیں پڑھی۔ ان کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ آدمی تہجد بھی نہیں پڑھتا تو یہ جنت میں کیسے جائے گا؟ پھر دن بھر انھیں دیکھتے رہے' ان کے اعمال کا عبادات کے لحاظ سے' تقویٰ کے معیار کے لحاظ سے جائزہ لیتے رہے مگر انھیں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی۔ تیسرے دن انھوں نے ان سے رخصت لی اور کہا کہ میں تو دراصل اس لیے آیا تھا کہ آپ کے بارے میں رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ کسی نے اگر جنتی کو دیکھنا ہو تو انھیں دیکھ لے مگر میں نے تو آپ کے اندر ایسی کوئی خاص بات نہیں پائی۔ اس پر انھوں نے کہا کہ میں جو کچھ بھی ہوں آپ کے سامنے ہوں' اتنا ہی جانتا ہوں۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے کوئی کینہ اور دشمنی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہی دراصل وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسولؐ نے آپ کے بارے میں یہ بشارت دی کہ یہ آدمی جنتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے درمیان ان چیزوں کا کیا مقام ہے!

بنیادی اصول: ایذا پہنچانے سے گریز

انسان اور انسان کے درمیان' بلکہ یوں کہیے کہ انسان اور ساری مخلوقات کے درمیان' جن میں جانور' پرندے اور درخت سب آجاتے ہیں' اجتماعی تقویٰ کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو ایذا پہنچانے سے اپنے آپ کو بچائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ساری شریعت کی بنیاد یہی ہے۔ نکاح اور طلاق کے مسائل ہوں یا وراثت کے احکام' سیاست کے قوانین ہوں یا شریعت کے حدود' سب کا مدار اسی بات پر ہے کہ انسان دوسرے انسان کو ایذا نہ پہنچائے' کسی تکلیف نہ دے۔ چھوٹے چھوٹے احکام ہیں کہ آدمی گھر میں جائے تو اجازت لے کر داخل ہو' گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ گے تو گھر والوں کو تکلیف ہوگی اور ایذا پہنچے گی۔ تین آدمی کھڑے ہوں تو دو آدمی آپس میں بات نہ کریں۔ اس لیے کہ تیسرے آدمی کو ایذا پہنچے گی اور تکلیف ہوگی۔ اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ چھوٹے احکام ہوں یا بڑے' ان سب میں بنیادی اصول یہی ہے۔ تمام علما نے حسن اخلاق کی تعریف یہ کی ہے کہ اچھا اخلاق یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو اذیت پہنچانے سے اپنے آپ کو روک لے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے الفاظ میں اگر آدمی صرف دو باتیں اختیار کرلے تو پوری شریعت اس کے اندر آجاتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ جو کام کرے خالص اللہ کی رضا کے لیے کرے' اور دوسری بات یہ کہ کسی بندے کو' کسی مخلوق کو اپنی ذات سے ایذا نہ پہنچائے۔ کوئی بات ایسی نہ کہے' کوئی کام ایسا نہ کرے' کوئی معاملہ ایسا نہ ہو جس سے دوسرے انسان کو ایذا پہنچے۔ اگر لوگ صرف ان دو اصولوں کو اپنے زندگی کے اندر اختیار کرلیں تو پوری کی پوری شریعت ان کی گرفت میں آجائے گی۔

سیرت اور احادیث میں بہت سارے واقعات ہیں جن میں نبی کریمؐ نے فرمایا

کہ کم سے کم آدمی کو اتنا تو ضرور کرنا چاہیے کہ نیکی کی راہ سجھائے' دوسروں پر خرچ کرے' غریبوں کی خدمت کرے' کما کر بھی دے اور بھلی بات کہے۔ جب لوگوں نے کہا کہ اگر یہ بھی نہ ہو سکے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ کم سے کم اپنی ذات سے دوسروں کو اذیت پہنچانے سے روک لو۔ یہ تو کم سے کم چیز ہے کہ جس کا آدمی سے مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا: من اذی مسلماً فقد اذا نی ومن اذا نی فقد اذی اللّٰہ، جو آدمی کسی مسلمان کو ایذا پہنچاتا ہے' وہ مجھے تکلیف پہنچاتا ہے اور جس نے مجھے ایذا پہنچائی (رسولؐ کو ایذا پہنچائی) اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ اس طرح بندے کا معاملہ براہ راست اللہ کے ساتھ متعلق ہو گیا۔ مسلمان کی تعریف یہی کی گئی ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو' اور جس کے ہاتھ میں اپنے معاملات دے کر مسلمان مطمئن ہو کہ معاملہ ٹھیک چلے گا۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمان پر مسلمان کا خون حرام ہے' اس کی عزت حرام ہے' اور اس کا مال حرام ہے۔ جب حرام میں عزت آ گئی' مال آ گیا' جسم و جان آ گئی تو محرمات کا یہ دائرہ بڑا وسیع ہو گیا' جب کہ ہم نے حرام کا تصور بڑا ہی محدود کر دیا ہے۔ کھانے پینے اور اسی قسم کی چیزوں کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ حرام ہیں لیکن اللہ کے رسولؐ فرماتے ہیں کہ خون بھی حرام ہے' عزت بھی حرام ہے اور مال بھی حرام ہے۔ یہ دراصل وہ بنیادی اصول ہے جس کے تحت تقویٰ کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

ظلم و زیادتی سے اجتناب

تقویٰ کے بہت سارے احکام ہیں' یہاں سب کو سمیٹ کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ ایک بنیادی اصول ہاتھ میں آ جائے جس کو

قرآن وحدیث میں بہت ساری جگہ کبھی واضح طور پر، کبھی بالواسطہ، کبھی اشارے سے، مختلف طریقوں سے واضح کیا گیا ہے۔ غور فرمائیے کہ طلاق یا نکاح کے احکام ہوں، سب معاملات میں اللہ تعالیٰ ہر جگہ یہی بات کر رہا ہے کہ کوئی ایسی بات نہ کرو کہ جس سے بیوی کو یا بیوی سے شوہر کو ایذا پہنچے۔ اسی طرح ورثے کی تقسیم اس طرح نہ کرو جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہو اور اسے ایذا پہنچے۔ جتنے بھی احکام ہیں، ان کے اندر اصل چیز ضرر کو مٹانا، حق تلفی کو ختم کرنا اور انسانوں کے تعلقات میں ایذا کو ختم کرنا ہے۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا اجتماعی تقویٰ یہ ہے کہ انسان ظلم اور ایذا سے بچے۔ ظلم کے لفظ کو خاص طور پر بہت وسیع مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

ظلم کی بہت سی صورتیں ہیں۔ شرک بھی ظلم ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان ۳۱:۱۳) ''بلاشبہ شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔ لیکن انسانوں کے درمیان جو ظلم ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ میں نے اپنے اوپر ظلم کرنا حرام کر دیا ہے، تو تم بھی آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ظلم ایک ایسی چیز ہے جو قیامت کے روز اندھیرا بن جائے گی اور پھر اس سے آدمی کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ آپؐ نے جو گورنر بھیجے، جن کو مسلمانوں کے کوئی معاملات سپرد کیے، دوسروں کے مال کے حوالے سے، یا سیاست میں، حکومت میں جن کو معاملات پیش آتے رہے، ان کو آپؐ یہ وصیت کرتے رہے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ایک اور حدیث میں فرمایا کہ ولو کان فاجراً، یعنی اگر مظلوم بہت گناہ گار ہو تب بھی اس کی بددعا ضرور لگے گی۔ اس کے گناہ اس کے ذمے ہیں اور تمھارا ظلم تمھارے ذمے ہے۔ ایک اور جگہ آپؐ فرمایا کہ ولوکان کافراً، اور اگر کافر ہو، تب بھی اگر مظلوم ہے تو اس کی بددعا ضرور عرش الٰہی تک جائے گی۔ اس لیے مظلوم کی بددعا سے بچنا۔

جانوروں کے معاملے میں تقویٰ

ظلم کا دائرہ صرف انسانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کو ساری مخلوقات تک وسیع کیا گیا ہے۔ اس طرح مومن کا یہ مزاج بنایا گیا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی زیادتی کا نہ سوچے اور نہ زیادتی کرے۔ جانوروں کا ذکر میں اس لیے کر رہا ہوں تاکہ اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے کہ اجتماعی تقویٰ کے معاملے میں اسلام کی تعلیم کتنی نازک اور حساس ہے۔ جانور تو بے زبان ہوتے ہیں' لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ان جانوروں کے معاملے میں بھی اللہ سے تقویٰ اختیار کرو۔ اگر ذبح بھی کرنا ہو تو کم سے کم تکلیف دو اور تیز چھری سے ذبح کرو۔ ایک آدمی نے ایک جانور کو لٹا دیا اور اس کے بعد اس کے سامنے چھری تیز کرنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو تم دو موتیں کیوں مارتے ہو؟ ایک تو اس کو مرنا ہے' ذبح ہونا ہے اور دوسرے سامنے چھری تیز ہوتے دیکھ کر اس کا دل سہم جاتا ہے۔ چھری پہلے تیز کرو پھر اس کے بعد جانور کو لٹاؤ۔ ایک عورت کے بارے میں فرمایا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ لیا نہ اس کو کھولتی تھی کہ جا کر وہ کھا پی لیتی اور نہ اسے غذا دیتی تھی۔ وہ مر گئی۔ میں نے معراج کے وقت اس عورت کو دیکھا۔ وہ عورت جہنم میں صرف اس لیے تھی کہ اس نے بلی کو بھوکا باندھ دیا اور وہ مر گئی۔ غرض اونٹوں کے بارے میں' جانوروں کے بارے میں' پرندوں کے بارے میں سب کے متعلق آپؐ نے ہدایات دی ہیں۔ کسی نے چڑیا کے بچوں کو گھونسلے سے اٹھا لیا۔ چڑیا بے قرار پھرنے لگی۔ آپؐ نے کہا کہ ان کو چھوڑ دو اس لیے کہ جانوروں کے بارے میں بھی قصاص ہوگا۔ اس طرف بھی آپؐ نے اشارہ کیا ہے کہ اگر زیادتی ہوگی تو پرندہ کہے گا کہ اس آدمی نے مجھ کو بیکار مارا۔ نہ میں نے کچھ کھایا اور نہ کچھ کہا' اس نے خواہ مخواہ مجھے مار ڈالا۔ اس زمانے مین جانوروں کے مقابلے ہوتے تھے۔ جانوروں کو

باندھ کر تیر کے نشانے باندھے جاتے تھے۔اس سب سے آپؐ نے منع فرمادیا۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے کہ جانوروں پر اس طرح کے مظالم ڈھائے جائیں۔

ایک مرتبہ آپؐ ایک انصاری صحابی کے باغ میں گئے تو ایک اونٹ آپؐ کے پاس آیا۔فاقے کے مارے اس کا پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔آپؐ نے کہا کہ اس نے مجھ سے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اس کو کھانے کو نہیں دیتے ہو اور کام زیادہ لیتے ہو۔تمھارے جانوروں کا بھی تمھارے اوپر حق ہے۔

پرانے زمانے کے ایک پیغمبر تھے۔ان کے بارے میں حدیث میں ہے کہ ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا۔انھوں نے چیونٹیوں کے پورے بل کے اندر آگ لگادی۔اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ تم اسی ایک چیونٹی کو مارتے جس نے تمھیں کاٹا تھا۔ساری چیونٹیوں نے تو کوئی قصور نہیں کیا تھا کہ تم ان کو اس طریقے سے آگ لگاتے (بخاری)۔لہٰذا بدلہ لینے میں بھی ظلم سے بچنے کی بڑی شدید تاکید قرآن اور احادیث کے اندر موجود ہے۔

غور کیجیے کہ جس شریعت اور دین نے جانوروں، پرندوں، چیونٹیوں وغیرہ کے بارے میں اتنا اہتمام کیا ہے، اس میں انسانوں کا کیا مقام ہوگا!

انسانی جان کا احترام

ایذا اور تکلیف پہنچانے میں جو چیزیں سب سے اہم ہیں، وہ یہ ہیں:

سب سے پہلے انسانی جان کا معاملہ ہے۔اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کردے، قرآن مجید کے الفاظ ہیں متعمداً، تو پھر اس کا بدلہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا۔اس کا کوئی مداوا نہیں ہے۔اس لیے کہ جس نے

کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ (المائدہ ۵:۳۲)

یہ انسانی جان کا احترام ہے لیکن جسم کو تعذیب دینے سے بھی منع کیا گیا ہے۔ تعذیب کے لیے انگریزی زبان کا جو لفظ آج کل مروج ہے اور حکومتوں اور ریاستوں نے بھی اسے اختیار کر رکھا ہے، وہ ''ٹارچر'' ہے۔ اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی لحاظ سے بھی انسان کو ٹارچر کر کے جرم منوایا جائے، نہ اس کی اجازت ہے کہ حکومت اپنے کام کروائے، اور نہ اس کی اجازت ہے کہ مخالفین پر ٹارچر کیا جائے۔

ایک موقع پر کچھ لوگ دھوپ میں کھڑے تھے کہ ایک صحابیؓ کا وہاں سے گزر ہوا۔ یہ دور خلافت کا واقعہ ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ یہ لوگ دھوپ میں کیوں کھڑے کیے گئے ہیں؟ کہا گیا کہ ان لوگوں نے ٹیکس نہیں ادا کیا ہے۔ اس لیے ان کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ میں نے نبی کریمؐ سے سنا ہے کہ جو آدمی بندوں کو عذاب دے تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے۔ اس لیے تعذیب سے، ٹارچر سے، اور جسم کو کوئی نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ جان کے احترام کی تعریف کے اندر آتا ہے۔ اسی طریقے سے کوئی ایسا مذاق کرنا جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے، اس کو بھی آپ نے سختی سے منع کیا، مثلاً کسی کے جوتے چھپا دیے یا کسی کا اسلحہ چھپا دیا۔ اگر باہمی تعلقات ایسے ہیں کہ کوئی برا نہیں مانتا تو پھر کوئی ممانعت نہیں۔ لیکن جہاں آدمی اس پر برا مانے، اسے تکلیف پہنچے تو پھر اس سے آپؐ نے منع فرمایا ہے۔ احادیث میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جن میں آپؐ کی تنبیہات ہیں۔ شرارت سے اشارہ کرنا، تلوار سے یا کسی دوسری چیز سے کسی کو ڈرانا، اس سے بھی آپؐ نے کہا کہ مسلمان کو مت ڈراؤ، اس کو خوفزدہ مت کرو۔ یہ سارے احکام دراصل جسم اور جان کی حفاظت کے لیے ہیں کہ مسلمان

بھائی کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان کی ہر چیز محفوظ رہے۔ اس کا خون بھی محفوظ رہے، مال بھی اور عزت و آبرو بھی۔

عزت و آبرو کا تحفظ

اس سے اگلی چیز، عزت و آبرو ہے جو ایک دوسرے پر حرام کی گئی ہے۔ عزت انسان کو اپنے خون سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اس کی خاطر آدمی جان بھی دے دیتا ہے۔ مسلمان کی عزت پر کہیں سے بھی کوئی حرف آئے، آدمی کوئی ایسی بات کہے جو غیبت ہو یا تمسخر، بدظنی ہو یا بدگمانی، دوسروں کے عیوب کی نقل کرتے پھرنا ہو یا باہمی تعلقات کو خراب کرنا--- اس سب کے بارے میں احادیث کے اندر اتنی شدید وعیدیں اور تنبیہات آئی ہیں جو دیگر اعمال کے بارے میں نہیں آئی ہیں۔ غیبت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ زنا سے بھی بدتر جرم ہے۔ کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کا ذکر کرنا یا ایسی باتوں کا ذکر کرنا جو اس کو ناگوار ہوں، یہ غیبت ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کے اندر بہت عام ہے۔ لوگ سود کھانے کو اور شراب پینے کو تو برا سمجھتے ہیں لیکن مسلمان کا گوشت آرام سے اور مزے لے لے کر کھاتے ہیں، اور اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ چغلی کھانا، ایک کی بات دوسری جگہ پہنچانا، لوگوں کے عیوب ٹٹولنا، یہ بات بڑی کثرت سے پائی جاتی ہے، جب کہ لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالنے کا حکم ہے۔ لوگوں کے عیوب کی پردہ کشائی کرنے اور ان کو ذلیل کرنے سے بڑی سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ کسی کی عزت کو پامال کرنا خواہ جس بھی طریقے سے ہو، گفتگو کے ذریعے سے یا کسی قسم کے اشاروں کے ذریعے سے، منع ہے۔ اشاروں سے لوگوں کی تحقیر کرنے کی مذمت قرآن مجید نے خود بار بار کی ہے۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ○ (الھمزہ ۱۰۴:۱) ''تباہی ہے ہر اس شخص کے لیے جو (منہ در منہ) لوگوں پر طعن اور

(پیٹھ پیچھے) برائیاں کرنے کا خوگر ہے"۔ اس کی اجازت نہیں ہے۔ تحقیر کرنے کے بارے میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہ بات بالکل کافی ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھے' یا اس کو کہیں پر ذلیل کرے۔ چنانچہ مسلم کی مشہور حدیث ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہ کرے' اس کو بے یار و مددگار نہ چھوڑے۔ اس کو کہیں ذلیل نہ کرے' اور اس کو اپنے سے حقیر نہ سمجھے۔ اسی کے اندر وہ جملہ ہے کہ التقویٰ ھٰھنا "تقویٰ اس جگہ ہے"۔ جو آدمی کسی مسلمان کو دل میں حقیر سمجھے' اس دل میں تقویٰ نہیں ہوسکتا۔ تقویٰ کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ آدمی مسلمان کی عزت کرے اور مسلمان کے ساتھ تکریم کا برتاؤ کرے۔

مال و دولت کی حرمت

اس کے بعد پھر تیسری چیز مال کی حرمت ہے۔ کسی بھی مسلمان کا مال کسی دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ جہاں رمضان میں روزے رکھنے کا حکم دیا گیا کہ آدمی صبح سے شام تک کھانے پینے سے رک جائے اور صرف رات میں سورج ڈوبنے سے لے کر فجر تک کھائے' اس کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ قف (النساء ۴:۲۹) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو' آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ' لین دین ہونا چاہیے آپس کی رضامندی سے"۔

روزہ جو کہ دن کے اوقات میں حلال چیزوں سے بھی روک دیتا ہے' اسی بات کا ذریعہ ہے کہ اس سے تقویٰ پیدا ہو۔ اس کا فطری تقاضا ہے کہ غلط طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھایا جائے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے کہ جو آدمی جھوٹی قسم کھا کر کسی دوسرے آدمی کی کوئی چیز ہتھیا لیتا ہے' اس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام

کردی اور جہنم واجب کردی۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر چہ وہ بہت ہی حقیری چیز ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں' خواہ وہ درخت کی ایک شاخ یا ٹہنی کے برابر ہی ہو۔ اسی طرح فرمایا کہ اگر کسی نے جھوٹی قسم کھائی' کسی کا حق مار لیا' کوئی زمین ہتھیالی' تو وہ زمین آگ کا طوق بنا کر اس کی گردن میں ڈال دی جائے گی۔ گویا جو مال آدمی کا اپنا نہیں ہے' کسی دوسرے کا مال ہے' اس کو کھانا' اس کو حاصل کرنا ناجائز ہے۔ یہ بھی اجتماعی تقویٰ کا ایک حصہ ہے۔

اسی طرح سے باہمی تعلقات کے اندر قدم قدم پر تقویٰ کی تاکید ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اللہ کے کوئی بھی احکام ایسے نہیں ہیں جو تقویٰ کے حدود سے باہر جاتے ہوں یا جن پر آدمی تقویٰ کے بغیر عمل کر سکتا ہو۔ اگر سورۃ البقرہ کی تلاوت کی جائے اور مطالعہ کیا جائے جس میں معاشرتی زندگی اور خاندانی زندگی کے احکام دیے گئے ہیں تو اس میں ہر حکم کے بعد اس قسم کی آیت ملے گی کہ واتقوا اللّٰہ ' اللہ سے ڈرو' تم کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے' اس کا عذاب بڑا سخت ہے' وہ سن رہا ہے' وہ دیکھ رہا ہے' یا یہ کہ وہ تمھارے ساتھ ہے' لیکن واتقوا اللّٰہ اس لیے کہ یہی تقویٰ کی اصل جانچ اور پرکھ ہے کہ آدمی معاملات کے اندر' خاندان کے اندر جو زیردست ہیں' یعنی بیوی بچے' ملازم اور غلام' ان کے بارے میں انصاف کی روش پر قائم رہے اور حقوق میں اس کی پابندی کرے۔

یتیموں کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔ یتیم کیا ہے؟ یتیم بے سہارا ہے' وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ مسلمان بھائی اگر اپنے کسی عمل کا عذر پیش کریں تو اس عذر کو قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ہر پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال اللہ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن جس نے شرک کیا ہو یا جس کے دل

میں کسی مسلمان کے لیے کینہ اور دشمنی ہو' ان کے تعلقات خراب ہوں تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کا معاملہ مؤخر کردو۔ ان کے باقی اعمال کے بارے میں بھی فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

وعدہ کر کے اور امان دے کر کسی کو نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں۔ یہاں تک کہ حکومتوں اور حکمرانوں کے لیے بھی آپؐ نے اس بات کو جائز نہیں قرار دیا کہ لوگوں کو کوئی فریب دے کر اپنے قابو میں لے آئیں خواہ دشمن ہوں یا مخالف یا کافر۔ بدعہدی کرنے اور ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس سے بری ہوں کہ جو آدمی کسی کو امان اور پناہ دینے کے بعد اس کو نقصان پہنچائے۔ پھر اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں اگر چہ وہ کافر ہو' یعنی کافر کے ساتھ بھی یہ سلوک جائز نہیں ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹا وعدہ کر کے اور کوئی فریب دے کر اس کو اپنے قابو میں کر لیا جائے اور اس کے بعد پھر اس کو تکلیف پہنچائی جائے۔

باہمی تعلقات میں تقویٰ کے دو بنیادی اصول ہیں۔ ایک اصول ہے عدل اور دوسرا پاسِ عہد۔ ان کو اگر آدمی اختیار کرے تو اجتماعی تقویٰ جو باہمی تعلقات کا نام ہے' اس کا سارے کا سارا دائرہ اس کے اندر سمٹ کر آجاتا ہے۔

عدل کے لیے حکم دیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (المائدہ ۵:۸) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو' یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔ یہاں کفار قریش کا ذکر تھا جنھوں نے مسلمانوں پر مظالم ڈھائے' گھروں سے نکالا' جنگ کے لیے اُمڈ کر آئے۔ حج اور عمرے کا راستہ بند کر دیا۔ مسلمان وطن

واپس نہیں جاسکتے تھے۔ اس سب کے باوجود یہ کہا گیا ہے کہ دیکھو یہ کام تمھیں اس پر مجبور نہ کردے کہ تم بھی انھی کی طرح کا برتاؤ ان کے ساتھ کرنے لگو۔ مکہ سے ۱۳ سال مظالم برداشت کر کے مدینہ آئے' جنگ کی اجازت ملی تو فرمایا: وَقَاتِلُوْا فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ (البقرہ ۲:۱۹۰) ''اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ یہ عدل کا حکم تھا اور ہر معاملے میں عدل کرنے کا حکم تھا۔ مسلمان اور پوری امت مسلمہ بنائی ہی اس لیے گئی ہے کہ وہ ہر معاملے میں عدل کے اوپر گواہ بن کر کھڑی ہو اور یہی تقویٰ کا راستہ ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو' انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتے داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مال دار ہو یا غریب' اللہ تم سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ (النساء ۴:۱۳۵)

دوسری چیز پاسِ عہد ہے کہ جو بات منہ سے نکل جائے اس کی پابندی ضروری ہے۔ کہیں بھی آدمی عہد کرے' دوسرے انسان سے وعدہ کرے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی امانت سپرد کی جائے اور اس کی حفاظت کرنا اور لوٹانا اپنے ذمہ لے تو پابندی ضروری ہے' اس لیے کہ یہ بھی عہد ہے۔

اجتماعی زندگی کے تقاضے

تقویٰ اور اجتماعی تقویٰ کا یہ دائرہ انسان کے درمیان معاملات کا ہے۔ دوسرا

دائرہ اجتماعی زندگی سے متعلق ہے۔ اس دائرے میں خاندان کا ادارہ بھی شامل ہے' اور مسلمان معاشرے میں جو تنظیمیں اور ادارے بنائے گئے ہیں' جو اُمت کے اندر موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر حکومت اور ریاست کا ادارہ ہے' ان سب کے بارے میں بہت واضح کر کے یہ بات بتائی گئی ہے کہ اصل میں ان سب کا مدار اس تقویٰ پر ہے جو ایک انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ برتتا ہے۔ چنانچہ اگر ریاست کی مثال کو سامنے رکھا جائے تو حکمرانوں کے بارے میں بھی یہی بات کہی گئی کہ حکمران کا یہ فرض ہے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرے' اور جو حکمران جھوٹ بولتا ہے یا بدعہدی کرتا ہے اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ حکمران سیدھا جہنم میں جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بغیر کسی حساب کے آگ میں ڈال دے گا' یعنی ان کے اعمال لازماً ایسے ہوں گے کہ کسی حساب کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ان میں سے ایک امام کاذب ہے' یعنی لوگوں کا وہ قائد جو جھوٹ بولتا ہے۔ اسی طرح جو آدمی مسلمانوں کے کسی کام کا ذمہ دار بنایا جائے اور اس کے بعد وہ اس کام میں لوگوں کو دھوکا اور فریب دے اور ان کے ساتھ معاملہ ٹھیک نہ کرے' فرمایا کہ فلیس منا ' یعنی وہ ہم میں سے نہیں ہے اور یہ بھی تقویٰ کے خلاف ہے۔ مال و دولت اگر عوام کا ہے تو وہ ایک امانت ہے' اس کے بارے میں یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک رسی اور ایک چادر یا عبا بھی اس میں سے خیانت کر لی تو یہ اس کو جہنم میں لے جائے گی۔ یہ مال کے بارے میں اور لوگوں کے حقوق کے بارے میں احتیاطیں ہیں اور حکومت کے عہدے داروں کے لیے بھی۔ اس میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ جو آدمی حکومت کے منصب پر فائز ہو بلکہ فرمایا: من ولی من امر المسلمین' جس کو مسلمانوں کے کسی کام کی ذمہ داری سپرد کر دی گئی۔ ان سب پر تقویٰ کے یہ حدود لازم آتے ہیں۔

پیچھے چلنے والوں کا آگے چلنے والوں سے جو تعلق ہے' اس کے بارے میں بھی

احکام واضح طور پر بیان کیے گئے ہیں اور ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ حجرات کے درمیان کا حصہ مسلمان اور مسلمان کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہے' اور شروع کا حصہ مسلمانوں کا اپنے رسول سے تعلق کے بارے میں ہے۔ اُمت میں سے کوئی آدمی وہ مقام تو حاصل نہیں کر سکتا جو اللہ کے رسولؐ کو حاصل تھا لیکن جو افراد قیادت کر رہے ہوں' ایک درجے میں ان کے حوالے سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جو لوگ بھی آگے چلنے والے ہوں' ان سے اپنی بات منوانے پر ضد کرنا' اپنی بات پر مصر ہونا' اپنی بات پر اڑ جانا اور یہ کوشش کرنا کہ ہماری بات ہی مانی جائے' اسی کے لیے آدمی اپنی آواز اونچی کرتا ہے' لڑتا بھڑتا ہے' اگرچہ یہ بے ادبی رسول اللہؐ کی شان میں بے ادبی تھی' لیکن جو مرض تھا وہ دراصل ان اجڈ گنوار سرداروں کا تھا جو صحیح معنوں میں ایمان تو نہیں لائے تھے لیکن اسلام کا غلبہ دیکھ کر مومن ہو گئے تھے اور اب یہ چاہتے تھے کہ ان کی بات سنی جائے' ان کا مشورہ مانا جائے' ان کو مجلسوں کے اندر برتری دی جائے' انھیں پہلے بلایا جائے تو اس سب کے بارے میں سورۂ حجرات کے شروع میں کہا گیا ہے کہ واتقوا اللّٰہ ''اللہ سے تقویٰ اختیار کرو''۔ اس کے بعد یہ واضح کیا گیا کہ متقی تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے اپنے آپ کو آگے نہیں بڑھاتے' مقدم نہیں کرتے' ان کے مقابلے میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں' بات سلیقے سے کرتے ہیں' بات سننے کے لیے بھی تیار ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ط (الحجرات ۴۹:۳)' ان کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزما لیا ہے اور جانچ لیا ہے۔

زیادتی پر بدلہ

اجتماعی تقویٰ کے یہ مختلف پہلو میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ سب سے

زیادہ تفصیل کے ساتھ انسان اور انسان کے درمیان تعلق پر گفتگو کی گئی ہے۔ پھر اجتماعیت کے بارے میں کچھ اشارات آپ کے سامنے رکھے گئے ہیں۔ اس کے اندر جو اصل بات تھی وہ میں نے شروع میں کہی تھی وہ یہ تھی کہ کسی قسم کی بھی ایسی ایذا پہنچانا جس کی کوئی گنجایش شریعت میں دین کے کسی واضح حکم کے تحت نہ نکلتی ہو' اس کی کوئی گنجایش تقویٰ کے ساتھ نہیں ہے۔ بدلہ لینے کی اجازت ہے۔ مگر جب بدلہ لینے کی نیت ہوتی ہے اور بدلہ لینے کا جذبہ غالب ہوتا ہے تو آدمی زیادتی کر جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی واضح ہدایات ہیں کہ اگر آدمی بدلہ بھی لے تو اتنا ہی لے جتنی کہ اس کے اوپر زیادتی کی گئی ہو۔ قرآن مجید میں خود یہ بات واضح کی گئی ہے کہ جس پر زیادتی کی گئی ہے اس کو بدلہ لینے کا حق ہے لیکن اتنا ہی حق ہے جتنی اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ اگر کہیں وہ بڑھ گیا تو پھر اس کے اوپر اپنے عمل کا وبال آجائے گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے آدمی معاف کردے اور اصلاح کرے' صلح کرلے۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ط (الشوریٰ ۴۲:۴۰) ''پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ آدمی بدلہ لے کیونکہ بدلہ لینے میں کوئی ضمانت نہیں ہے کہ انسان اتنا ہی بدلہ لے گا جتنا کہ اس کے اوپر کی ہوئی زیادتی یا ظلم کا ہونا چاہیے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب حضورؐ کی خدمت میں آئے اور کہا کہ حضورؐ میرے بہت سارے خادم' نوکر اور غلام ہیں۔ وہ میرا کام کرتے ہیں لیکن مجھے جھوٹا بھی بناتے ہیں' کام چوری بھی کرتے ہیں' کام پورا نہیں کرتے' مال بھی چراتے ہیں اور میری نافرمانی بھی کرتے ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان معاملہ کس طرح طے ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: دیکھو تمھارے جو اعمال ہیں' تم نے ان کو جو سزا دی' ان کو برا بھلا کہا' وہ ایک طرف رکھے جائیں گے' اور انھوں نے جو تمھارے ساتھ

زیادتیاں کی ہیں وہ دوسری طرف رکھی جائیں گی۔ اگر دونوں برابر ہیں تو تم چھوٹ جاؤ گے لیکن اگر تم نے بدلے میں زیادتی کی ہوگی تو پھر جتنی بھی زیادتی کی ہوگی تم سے اس کا قصاص لیا جائے گا اور تمھیں اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔ یہ سن کر وہ صاحب دور جا کر بیٹھ گئے اور رونے دھونے لگے کہ میں تو تباہ و برباد ہو گیا۔ پھر حضورؐ نے ان کو بلایا اور کہا کہ تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی کہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ○ (الانبیاء ۲۱:۴۷) ''قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے' پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس کا رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں''۔ اس پر انھوں نے کہا کہ حضور اب اس کے بعد تو اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ میں ان سب کو معاف کر دوں اور ان سب کو آزاد کر دوں۔ چنانچہ آج میں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

بدلہ لینے کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اگر ایک کوڑا بھی زیادہ مارا جائے گا تو اس کوڑے کا قصاص اور بدلہ انسان سے لیا جائے گا۔ بدلہ لینے میں جو جذبہ پنہاں ہے وہ آدمی کو کبھی غیبت پر آمادہ کرتا ہے' کبھی زیادتی پر آمادہ کرتا ہے' وہ اسے حسد میں مبتلا کر دیتا ہے کہ مجھے یہ نقصان پہنچا' میری عزت پر یہ حرف آیا' اس نے میرا یہ حق مار لیا' اس نے میرے اوپر یہ ظلم کیا اور اس طرح غیظ و غضب میں اور غصے و انتقام کے جذبے میں آدمی حق سے نکل جاتا ہے۔ خواہ مال کی حرص میں آدمی دوسرے کے حقوق مارے یا انتقام یا بدلہ لینے کی نیت سے اقدام کرے' یہ انسان اور انسان کے درمیان تعلقات کا سب سے نازک معاملہ ہے۔ بہت ساری احادیث سے اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ عبادات سے زیادہ یہ چیز اہم ہے کہ انسان کسی دوسرے انسان پر زیادتی نہ

کرے اور اسے اذیت نہ پہنچائے اور یہی انسان کا امتحان ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کے خوف سے آپس میں صلح وصفائی سے رہیں۔

ایمان اور تقویٰ کی روش

جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے اس بات کا اعلان کیا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے کہا تھا کہ کیا آپ کوئی ایسی مخلوق بنا رہے ہیں جو خون بہائے گی اور زمین میں فساد مچائے گی' جب کہ تسبیح وتقدیس کا کام تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ سجدہ اور رکوع کوئی ایسا کام نہیں جس کے کرنے والے موجود نہ ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آسمان پر کوئی چار انچ کی جگہ بھی خالی نہیں ہے جہاں پر کوئی فرشتہ رکوع میں نہ ہو' سجدے میں نہ ہو' قیام میں نہ ہو' تسبیح نہ کر رہا ہو' حمد نہ کر رہا ہو' یا تکبیر نہ پڑھ رہا ہو۔ دراصل اللہ نے خلیفہ تو اس لیے بنایا تھا کہ وہ اللہ کی خلافت کی ذمہ داری سنبھال کر یہاں پر عدل قائم کرے اور فساد سے بچائے۔ انسان' انسان کا خون نہ بہائے' اس کی عزت پر حملہ نہ کرے' اس کے مال کو غصب نہ کرے۔ یہی دراصل' اصل امتحان ہے اور یہی انسان سے مقصود ہے' اور اسی سے تقویٰ کا وہ دائرہ بنتا ہے جو پوری زندگی کے اوپر حاوی ہے۔ اگر یہ دائرہ ہاتھ سے چھوٹ جائے' اس میں کوتاہی ہو' تو پھر عبادات اس کا مداوا نہیں کر سکتیں بلکہ پوری عبادات آدمی سے چھینی جا سکتی ہیں۔ اگر یہی ایک بات آدمی کو یاد رہے کہ ہر مظلوم اٹھ کر کھڑا ہو جائے گا اور جس ظلم کے لیے میرے پاس کوئی معقول توجیہہ نہیں ہوگی اس پر مجھے سزا دی جائے گی تو یہ بہت ساری برائیوں کے ارتکاب سے اسے روک سکتی ہے۔

ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے کہا کہ فلاں آدمی نے آپ کی غیبت یا برائی کی ہے تو انھوں نے اس کو ایک طشت میں کھجوریں تحفے کے طور پر بھجوائیں اور اس

سے کہا کہ آج تم نے اپنی بہت ساری نیکیاں میرے حوالے کردی ہیں۔ میں اس کا کوئی بدلہ تو نہیں دے سکتا البتہ یہ کچھ کھجوریں تحفے کے طور پر تمھیں بھجوا رہا ہوں۔

پس جو آدمی بھی زیادتی کرتا ہے دراصل اپنی نیکیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے' اس کے اعمال نامے میں سے نیکیاں کم ہوتی جاتی ہیں۔ دوسری طرف دنیا کی زندگی بھی فساد اور بے چینی کا شکار ہوتی ہے اور دل بھی جلتا ہے' کبھی حسد کی آگ میں' کبھی انتقام کی آگ میں' اور کبھی بے اطمینانی کی آگ میں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ حسد اور کینہ ایسی چیزیں ہیں جو نیکیوں کو کھا جاتی ہیں۔ اس لیے کہ ان سے جو آگ بھڑک اٹھتی ہے' یعنی انتقام اور حسد کی آگ' اور دوسرے سے بدلہ لینے کی آگ ان کی بنیاد پر آدمی وہ کام کر گزرتا ہے جو اس کی ساری نیکیوں کو غارت کر دیتا ہے' اور جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔ یہی وہ بیماریاں ہیں جو نیکیوں کو آگ کی طرح کھا لیتی ہیں۔ ایک بار جب تعلقات کے اندر فساد پیدا ہو جائے تو اس کے بارے میں نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ یہ فساد استرے کی طرح ہے' اور یہ ایسا استرا ہے جو سر کے بال ہی نہیں صاف کرتا بلکہ یہ پورے دین کو مونڈ ڈالتا ہے۔

خدا کے انعامات اور بشارتوں کا سبب

اجتماعی تقویٰ کا یہ وہ پہلو ہے کہ جو ہر وقت نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیے اور جس کی فکر کرنا چاہیے' اس لیے کہ نماز' روزہ اور مختلف عبادات اس وقت تک کام نہیں آتیں جب تک کہ تقویٰ کا یہ کردار تشکیل نہ پائے۔ یہی تقویٰ ساری خوبیوں اور بھلائیوں کا ماحصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اپنی ساری بشارتیں اور سارے انعامات تقویٰ کے ساتھ وابستہ کیے ہیں۔ وہ قومیں زمین اور آسمان کی ساری کی ساری برکات سے مالا مال ہوں گی جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ ''اگر بستیوں

کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمانوں سے بھی اور زمین سے بھی برکتوں کے دروازے کھول دیتے'' (اعراف ۷:۹۶)۔ اور جہاں تک آخرت کا معاملہ ہے تو بار بار کہا گیا ہے کہ جنت تو ہم نے بنائی ہی متقین کے لیے ہے: اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۱۳۳) ''یہ جنت متقین کے لیے تیار کی گئی ہے''۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ○ (الطور ۵۲:۱۷) ''متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے''۔ یہ جنت انھی کی وراثت ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔

تقویٰ کا مفہوم آپ کے سامنے ہے۔ اصل میں تو یہ دل کی دھڑکن' دل کا یہ اندیشہ اور خوف ہے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکلے اور کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جائے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہو۔ پھر یہ احساس ہے کہ اللہ کو ناراض کرنے والے کاموں میں سے وہ کون سے کام ہیں جو اُس کو زیادہ ناراض کرنے والے اور زیادہ غضب میں لانے والے ہیں۔ یہ بات بھی جاننا چاہیے کہ دراصل جو چیزیں حرام کی گئی ہیں وہ صرف کھانے پینے' اوڑھنے بچھونے کی حد تک نہیں ہیں بلکہ انسانی معاملات اور تعلقات میں بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار چیزیں حرام کی ہیں اور بے شمار چیزیں فرائض میں داخل کی ہیں۔ جو آدمی عبادات میں' اور کھانے پینے میں تو حلال و حرام کی پابندی کرتا ہے لیکن معاملات میں حلال و حرام کی پروا نہیں کرتا' تو وہ بھی اسی طرح گناہ گار ہوتا ہے جس طرح نماز چھوڑنے والا یا کوئی سود کھانے والا یا شراب پینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ درحقیقت مومن کے ضمیر کو تو ایک ترازو کی مانند ہونا چاہیے کہ اگر ذرا سا بال برابر بھی کوئی وزن بڑھ جائے' کسی پر ظلم کا' کسی پر زیادتی کا' کسی حق کے ادا کرنے میں کوتاہی کا' تو ترازو فوراً جھک جائے اور اس کے ضمیر میں خلش پیدا ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ

مُّبْصِرُوْنَ ○ (اعراف ۷:۲۰۱)

حقیقت میں جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(کیسٹ سے تدوین: امجد عباسی)

(ترجمان القرآن، نومبر ۲۰۰۲ء)

اخلاق کے پانچ بنیادی اوصاف

خُرّم مُرَاد

اگر آج معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر زندگیاں سکون سے محروم ہیں۔ تجزیہ کیا جائے تو اس کیفیت کے بہت سے اسباب تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن سامنے کی بات یہ نظر آتی ہے کہ اخلاق اچھے نہیں رہے۔ بہت ساری پریشانیاں پیدا ہی نہ ہوں اگر بعض اخلاقی برائیوں سے بچا جائے اور کچھ اچھے خلاق اختیار کیے جائیں۔

ہمارے دین میں اخلاق کی جو اہمیت ہے وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ عبادات اپنی جگہ' لیکن اچھا مسلمان ہونے کے لیے اچھا اخلاق ہونا ضروری ہے' کوئی بداخلاق شخص اچھا مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اخلاق کے مقام اور قدر و قیمت سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ اچھے اخلاق کے بغیر نجات کی کوئی صورت نہیں ہے' اور برے اخلاق کا سرمایہ اگر جمع کیا جائے تو ہلاکت و بربادی سے بچانے والی بھی کوئی چیز نہیں۔ برے اخلاق سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی بھی ہمارے حصے میں آتی ہے' نیز انسانوں کے باہمی تعلقات بھی خراب ہو جاتے ہیں' اور باہمی تعلقات کا بگاڑ بالآخر پورے دین کو ضائع کر دیتا ہے۔

پورے دین کو ضائع کرنے کی بہت مؤثر مثال نبی کریم ﷺ نے ہمیں سمجھانے کے لیے یوں دی ہے' کہ باہمی تعلقات کا بگاڑ ایک استرے کی طرح ہے۔ پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے' بلکہ یہ ایک ایسا استرا ہے جو دین کو مونڈتا ہے۔

ایک اور حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم مفلس اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو' دنیا کا مال نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں' میری امت کا مفلس وہ ہے جو

قیامت کے روز' نماز' روزہ' صدقہ' اس قسم کی بے شمار عبادات جمع کر کے لائے گا' مگر اس طرح آئے گا کہ کسی کا حق مارا ہوگا' کسی پر تہمت لگائی ہوگی' کسی کو گالی دی ہوگی' کسی کو مارا ہوگا' اور کسی کا خون بہایا ہوگا۔ اس کے بعد وہ سب لوگ دعویٰ دار بن کر کھڑے ہو جائیں گے' اور ان کے دعووں کے تصفیے کے لیے اس کا سارا سرمایہ' یعنی' نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ ان دعویٰ داروں کو دے دیا جائے گا۔ دعووں کے تصفیے کے لیے نیک اعمال کے علاوہ کوئی اور کرنسی نہیں چلے گی' نہ ڈالر ہوگا نہ پاؤنڈ' نہ روپیہ ہوگا اور نہ جائیداد۔ بس یہی ایک کرنسی ہوگی اور اسی کے اندر معاوضہ دینا پڑے گا۔ چنانچہ جب اس کے سارے اعمال ختم ہو جائیں گے اور دعویٰ دار ابھی بھی موجود ہوں گے تو دعویٰ داروں کے گناہ لے کر اس کے ذمے ڈال دیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ گویا نیکیوں کا یہ بڑا سرمایہ بھی برے اخلاق کی وجہ سے ختم ہو سکتا ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اعمال کا جو ریکارڈ اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا' اس کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ بالکل معاف نہیں کرے گا' ایک وہ ہوگا جس کی اس کو کوئی پروا نہیں ہوگی' چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو معاف نہ کرے' اور ایک حصہ وہ ہوگا جس کا کوئی حرف نہ چھوڑے گا۔ اعمال کا وہ حصہ جس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا' شرک ہے۔ وہ حصہ جس کو وہ معاف کر دے گا' وہ گناہ ہیں جو آدمی نے اپنے نفس کے بارے میں کیے ہوں گے' اور وہ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے' جیسے نماز چھوٹ گئی یا روزہ چھوٹ گیا وغیرہ۔ ان کی اسے کوئی پروا نہیں ہوگی۔ وہ معاف بھی کر دے گا' اور جرم کی نوعیت کے مطابق سزا بھی دے گا۔ لیکن جس حصے کا ایک حرف بھی نہیں چھوڑے گا' یہ وہ معاملات ہوں گے جو بندے اور بندے کے درمیان ہوں گے۔ ان سب کا کسی نہ کسی طرح فیصلہ کیا جائے گا۔ کیوں کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق نہیں' آدمی کا اپنا معاملہ بھی نہیں بلکہ کسی مظلوم کا معاملہ ہے' اور اس چیز کی حرمت کا معاملہ ہے جس کی حرمت ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ شراب' سود اور سور کے گوشت سے بڑھ کر جو چیز حرام کی گئی ہے' وہ مسلمان کی جان' اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو ہے۔ اس میں ہر مسلمان شامل ہے۔

یہ حرمت بہت بڑی حرمت ہے۔ اسے بہت مؤثر پیرائے میں حرام کیا گیا ہے' اور مسلمان کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ اس کے ہاتھ' پاؤں اور زبان سے' دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت محفوظ ہو۔

ہیں جو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو ان سے پاک کر لیں تو دیگر بہت ساری بری باتوں اور برے اخلاق کا دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔ ان میں سے پانچ بنیادی اوصاف کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

کبر و تکبر

سب سے پہلی چیز کبر ہے۔ کبر کے معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کے یا کچھ سمجھنے کے ہیں۔ کبر کا لفظ ہی ایسا ہے کہ آدمی سمجھتا ہے کہ یہ بیماری میرے اندر نہیں ہو سکتی۔ متکبر ہم اسے سمجھتے ہیں جس کے پاس بڑی دولت اور بڑا پیسہ ہو، جو بڑا اختیار ہو، اور بڑی ڈینگیں مارتا ہو۔

کبر کا مرض بڑا عام ہے۔ اس مرض میں ایک درویش بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور ایک فقیر بھی، ایک زاہد بھی مبتلا ہو سکتا ہے اور ایک عالم بھی، بلکہ امام غزالیؒ کے الفاظ میں: میں نے جتنا کبر علما میں دیکھا ہے، اتنا عام آدمیوں میں نہیں دیکھا۔

کبر دراصل بہت ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کے حکم کی نافرمانی کی تو اس کی جڑ میں بھی کبر مضمر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس، تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے میں مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے، تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے؟ اس نے جواب دیا:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ (ص ۳۸:۷۶)

''میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے''۔

گویا اس نے تکبر کیا، اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور خاک کے پتلے کو سجدہ کرنا اپنی شان اور مقام و مرتبے کے خلاف جانا اور اسی روش کی بنا پر اللہ کی لعنت کا مستحق ٹھیرا۔

غصہ، انتقام، تمسخر، غیبت، بے شمار امراض ہیں جو کبر کے بطن سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ کبر کی تعریف ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے۔ اس کے لیے قرآن مجید میں استکبار کا لفظ بھی بڑی کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اِسْتَكْبَرَ کے لفظی معانی یہ ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔

لوگوں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے جوتے اچھے ہوں، اس کے کپڑے اچھے ہوں، کیا یہ کبر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، یہ کبر نہیں ہے۔ کبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کو ٹھکرا دے اور لوگوں سے حقارت کا برتاؤ کرے، انھیں ذلیل اور اپنے سے کم تر سمجھے۔ اگر غور کیا جائے تو حق کو ٹھکرانا صدق اور حق پرستی کے بھی خلاف ہے۔ جو آدمی حق کو ٹھکراتا اور ماننے سے انکار کرتا ہے، اس کے پیچھے سب سے بڑا سبب کبر ہی ہوتا ہے۔

یہ بھی کبر ہے کہ حق بات کہنے والے کو آدمی حقیر جانے اور یہ سمجھے کہ اس کا یہ منہ کہ یہ بات کرے۔ ذرا آپ کسی کی غلطی پر تنبیہ کر کے دیکھیں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے آدمی نے سانپ کے اوپر پاؤں رکھ دیا ہو۔ آدمی کا نفس اس طرح تڑپ اٹھتا ہے' کہ اچھا! اس نے مجھے یہ کہہ دیا۔ قرآن مجید میں انبیا کی داستانیں اگر پڑھیں تو ان کو بھی اس کیفیت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

ءَ اُلْقِیَ الذِّکْرُ عَلَیْہِ مِنْۢ بَیْنِنَا۔ (قمر ۵۴:۲۵)

کیا تمھارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟

لوگ حقارت سے یہ کہتے تھے کہ اس کو اللہ نے وحی اتارنے کے لیے منتخب کیا ہے! کیا خدا کو کوئی اس سے بہتر آدمی نہیں ملا تھا' جو کچھ حیثیت والا' رتبے والا' مال و دولت والا ہوتا جس کو نبوت دی جاتی! چنانچہ حق بات کہنے والے کو ذلیل اور حقیر سمجھنا' اور اپنے آپ کو بہتر جاننا' یہ بھی کبر ہے اور حق کو ٹھکرانے کی بنیادی وجہ بھی یہی ہوتی ہے۔

دوسرے انسانوں کے ساتھ جو آدمی بھی اخلاق سے پیش آتا ہے' گو اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ تو زبان سے نہیں کہتا لیکن اس کے پیچھے بھی کبر چھپا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ جب آدمی کہتا ہے کہ صاحب میں تو کچھ بھی نہیں ہوں' میں تو بڑا گناہ گار ہوں' اس کے پیچھے بھی ایک طرح سے کبر کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تواضع کا بہت زیادہ اظہار کریں کہ اللہ گواہ ہے میں تو بہت گناہ گار ہوں' میری نیت تو بڑی خالص ہے' بار بار اپنے گناہ گار ہونے کا اقرار کریں' تو اس کے پیچھے بھی اپنے آپ کو کچھ بتانے کا جذبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ ایسا جذبہ ہے جو غیر محسوس طور پر بھیس بدل بدل کر انسان کے اندر عود کر آتا ہے۔

کبر کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ کوئی مجھے ایسا کام کرتے نہ دیکھ لے جسے لوگ حقیر سمجھتے ہوں۔ بعض لوگوں کو گھر کا سودا اٹھا کر لے جانا گراں گزرتا ہے۔ بعض کو گھر کا کوئی کام کرنا ناگوار ہوتا ہے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ نوکروں والے کام کر رہا ہے۔ اس کے پیچھے بھی یہی جذبہ ہوتا ہے۔ بیوی کچھ کہہ دے تو غصہ آجاتا ہے' اگرچہ وہ صحیح بات کہہ رہی ہو' لیکن اگر کوئی اور نصیحت کرے تو ایسا رویہ اختیار نہ کرے۔ اس قسم کی کیفیت عموماً ہر قسم کے آدمی کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ بھی کبر ہی کی ایک کیفیت ہے۔

کبر سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے' اور تواضع' عاجزی و انکساری اختیار کرنی چاہیے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر آدمی جسے اللہ نے پیدا کیا ہے' اس کے اندر اس نے اپنی روح پھونکی ہے۔

''اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی''۔ (السجدۃ ۳۲)

لہٰذا انسان ہونے کی حیثیت سے سب انسان برابر ہیں۔ حتیٰ کہ وہ نوکر جو گھر میں کام کر رہا ہے' اس کے بارے میں بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کی بھی دو آنکھیں اور دو کان ہیں۔ وہ بھی انسان ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہماری طرح پیدا کیا ہے خواہ دنیا میں اس کو رتبہ کچھ دے دیا ہو۔ چنانچہ وہ فرد جسے اللہ نے گھر میں نوکر چاکر بنا دیا ہو' یا وہ عورت جسے گھر میں کسی کی بیوی بنا کر شوہر کے ماتحت کر دیا ہو' اس سے اس کے انسان ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب کو اس نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ کلکم آدم و آدم من ترابہ' سب انسان ہیں اور انسان مٹی سے بنایا گیا تھا۔

کوئی اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی عالی نسب سمجھے' سب کی نسل جا کر ایک ہی آدمی سے ملتی ہے' اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ وہ سید ہو یا پٹھان' یا آرائیں' یا کسی بھی نسل سے تعلق رکھتا ہو' سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کسی کا کوئی اور نسب نہیں۔ انسان کسی چیز پر کیا اترائے۔ شکل و صورت تو اللہ کی دی ہوئی ہے اور مال و دولت ایک عارضی چیز ہے۔ جو کچھ دیا گیا ہے' اللہ کا دیا ہے۔ کبریائی تو صرف اللہ کے لیے ہی ہے۔ دن میں سیکڑوں دفعہ آدمی اللہ اکبر کہتا ہے' سنتا ہے۔ اذان میں' اقامت میں' نماز میں' یہ جو بار بار تکرار ہے کہ اللہ سے بڑا کوئی نہیں' یہ اس لیے ہے کہ اگر کوئی احترام ہے تو صرف اللہ کے لیے ہے اور اگر کوئی بڑائی ہے تو صرف اللہ کے لیے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ صرف اللہ کے سامنے سجدہ کرو اور تواضع اختیار کرو۔

نبی کریم ﷺ سے عالی مرتبت انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ کو کسی کام سے کوئی عار اور شرم نہ تھی۔ بکری کا دودھ دھو لیتے تھے' گھر والوں کے لیے سودا لاتے تھے' اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے' کپڑوں میں پیوند تک خود لگا لیتے تھے اور گھر میں آتے تو بیویاں کہتی ہیں کہ ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ بچوں کو بھی سلام کر لیتے تھے اور عورتوں کو بھی۔ لیکن ہمارے ہاں لوگوں کو یہی گلہ ہوتا ہے کہ مجھے پہلے سلام کیوں نہیں کیا گیا' اٹھ کر کیوں نہ ملے' بیٹھنے کے لیے صحیح جگہ کیوں نہ دی گئی' تقریر کی فہرست میں میرا نام یہاں پر کیوں آ گیا؟ اس سے پہلے کیوں نہ آیا' یا اس کے بعد کیوں آ گیا' اجتماع میں مجھے کیوں نہیں بلایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

اسوہ رسول ﷺ کیا تھا؟ لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو مجلس میں پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا کہ آپ ﷺ کہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے۔ نوالہ اگر زمین پر گر

جاتا یا کوئی کھانے کی چیز گر جاتی تو پونچھ کر کھا لیتے تھے' اس لیے کہ یہ تو اللہ کا دیا ہوا ہے اور ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ اس کی دی ہوئی چیز کے سامنے آدمی کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ تواضع' انکسار حلم' سب چیزیں اسی سے پیدا ہوتی ہیں۔

کبر بہت سی برائیوں کی جڑ ہے۔ اپنے آپ کو دیکھتے رہنا چاہیے' دل کے اندر جو خیالات پیدا ہوتے ہیں ان کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں کسی کونے کھدرے میں کبر کا جذبہ تو سر نہیں اٹھا رہا ہے۔ غصہ بھی کبر کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے' جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔ کن چیزوں پر غصہ آتا ہے؟ کون سی چیزیں ناگوار ہوتی ہیں اور کیوں ہوتی ہیں؟ ذرا کبھی تجزیہ کر کے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیا کریں' خود جائزہ لے لیں' تو کہیں نہ کہیں اپنے نفس کی بڑائی' اپنی آن اور عزت کا ایسا احساس ضرور پنہاں ہوتا ہے کہ جو انسان کو خرابیوں کے اندر مبتلا کر دیتا ہے۔

ہر آدمی کے اندر خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی۔ آپ اپنی زندگی پر نظر ڈالیں' اپنے آپ سے زیادہ آدمی کس سے واقف ہو سکتا ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ (القیمة ۷۵:۱۴)

"انسان خود ہی اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔"

کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا' آپ سے کوئی غلطی نہیں ہوتی' آپ میں کوئی خامی نہیں ہے' کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح آپ ہی کی طرح دوسرے انسان بھی ہیں۔ دوسرے لوگوں میں بھی خامیاں ہوتی ہیں۔ وہ بھی غلطیاں کر سکتے ہیں۔ ان کو حقیر سمجھنا' یہی تباہی اور بربادی ہے۔

ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ نے اس بات کو یوں بیان فرمایا کہ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کے اس پر بہت سارے حقوق ہیں۔ وہ اس کی عزت کے درپے نہیں ہوتا' اس کی مدد کرتا ہے۔ اس کو کسی کے حوالے نہیں کرتا۔ پھر سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: التقویٰ ھھنا' تقویٰ دراصل یہاں ہے' یعنی دل میں۔ گویا تقویٰ ظاہری رسوم و رواج میں نہیں ہے بلکہ دل میں ہے۔ پھر فرمایا کہ آدمی کے تباہ و برباد ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے' کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر اور کم تر اور اپنے آپ کو برتر سمجھے' اور یہ جانے کہ میں اس سے زیادہ اونچا آدمی ہوں۔ یہ شیطان کی صفت ہے' اور اسی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہو گیا' برباد ہو گیا' اور ہمیشہ کے لیے اس پر لعنت ہو گئی۔

"اور اب روز جزا تک تجھ پر لعنت ہے۔" (الحجر ۱۵:۳۵)

اس لیے کہ اس نے کہا کہ میں بہتر ہوں' میں کیسے جھک جاؤں اس کے آگے جو مجھ سے کم تر ہے۔ لہٰذا تواضع اختیار کرنا' جھک جانا' یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اسی سے انسان اپنے آپ کو کبر سے بچا سکتا ہے اور بہت ساری برائیاں جن کا ذکر آگے آئے گا' ان سے بھی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

کینہ و حسد

دوسری چیز جس میں بعض اوقات کبر بھی آ جاتا ہے' وہ کینہ اور دشمنی ہے۔ اسی سے ملتی جلتی چیز جو اس کا سبب بن جاتی ہے' حسد ہے۔

حسد دراصل یہ ہے کہ کسی دوسرے کے پاس کوئی چیز دیکھ کر' اس کا معاشرے کے اندر مقام' اس کا علم' اس کا مال و دولت' اس کی شکل و صورت' یا کوئی بھی چیز دیکھ کر آدمی کے دل میں جلن پیدا ہو۔ اگر آدمی کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہو کہ اللہ مجھے بھی ایسا کر دے' تو یہ حسد نہیں ہے۔ البتہ اگر جلن پیدا ہو' اس کے خلاف غصہ پیدا ہو' اور پھر آدمی یہ چاہے کہ اس سے یہ چھن جائے تو یہ حسد ہے۔ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ خشک لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔ جب آدمی میں حسد پیدا ہو جائے تو وہ بہت ساری برائیوں میں پڑ جاتا ہے۔ اگر کسی سے حسد ہو جائے تو آدمی اس کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے کہ کسی طرح اس کو یا اس کے مال کو نقصان پہنچائے یا اس کی عزت نفس کو مجروح کرے۔ اگر کہیں کسی مجلس میں اس کا کوئی تذکرہ ہو رہا ہو تو اس کا تمسخر اڑا دیا' کوئی طعنہ دے دیا' یا اس کی کوئی برائی کر دی۔ اگر کہیں لوگ اسے اچھا سمجھتے ہوں اور کسی نے اس کی تعریف کر دی' تو پھر آدمی تجسس کرتا ہے' ٹوہ میں لگا رہتا ہے کہ مجھے معلوم ہو کہ اس کے اندر کیا کیا خرابیاں ہیں' اور موقع ملے تو وہ خرابیاں بیان بھی کرتا ہے اور غیبت بھی کرتا ہے۔ اس طرح حسد بے شمار خرابیوں کی جڑ ہے۔

اگر غور کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں بھی شیطان کو کبر کے ساتھ حسد بھی تھا کہ یہ مقام ان کو کیوں مل گیا؟ میں نے ہزاروں برس سجدوں میں سر مارا لیکن مجھے تو یہ مقام نہیں ملا' مگر اس مٹی کے پتلے میں اللہ نے اپنی روح پھونک دی اور اس کو یہ مقام دے دیا۔ گویا شیطان کی دشمنی میں اپنی برتری کے احساس کے ساتھ ساتھ حسد بھی موجود تھا۔ اسی وجہ سے دشمنی اور کینہ پیدا ہو گیا' اور وہ درپے آزار ہو گیا کہ اب میں قیامت تک اس کو اور اس کی اولاد کو بھٹکانے کی کوشش کروں گا۔

کسی کو نقصان پہنچانا' عزت گھٹانا' مالی نقصان پہنچانا' تمسخر اڑانا' ذلیل وخوار کرنا' انتقام پر تل جانا' قتل کے درپے ہو جانا' برائیوں کی ٹوہ میں رہنا' تجسس کرنا' بعض اوقات کسی کے بارے میں بڑے لطیف انداز میں کوئی ایسی بات کہہ دینا جس سے وہ دوسروں کی نگاہ میں گر جائے' ان سب کے پیچھے حسد اور کینہ ہی بنیاد ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ اپنے سینے کو صاف رکھو اگر ہو سکے تو یوں صبح وشام کرو کہ کسی کے لیے تمھارے دل میں کینہ اور حسد نہ ہو۔

ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے' کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک صحابی تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا اگر کسی نے جنتی کو دیکھنا ہو تو انھیں دیکھ لے۔ بظاہر کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ حلیے اور وضع قطع کے لحاظ سے وہ عام آدمی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جنتی ہیں۔ دوسرے دن بھی شاید یہی فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جستجو لگ گئی کی یہ کیا عمل کرتے ہیں' کہ جس کی وجہ سے حضور ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ یہ جنتی ہیں۔ چنانچہ ان کے پاس گئے اور کہا کہ میری گھر میں کچھ کھٹ پٹ ہو گئی ہے' اور میں ایک رات آپ کے پاس گزرانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ شوق سے آیئے اور میرے پاس رہیں۔ وہ ان کے ہاں ٹھیر گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ کوئی خاص عمل نہیں کرتے۔ رات نمازِ عشاء پڑھی اور سو گئے' نہ رات کے قیام کے لیے کھڑے ہوئے' نہ تہجد پڑھی' اور فجر تک سوتے رہے۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ فجر کے وقت تک سوتے رہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کوئی ایسا خاص عمل نہیں دیکھا۔ انھیں بہت مایوسی ہوئی کہ ان کے اندر کیا ایسا عمل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کی یہ شخص جنتی ہے۔ جب چلنے لگے تو کہنے لگے کہ بھائی یہ تو میں نے آپ کے پاس ٹھیرنے کا بہانہ کیا تھا۔ دراصل میں تو یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کا وہ عمل کیا ہے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے بشارت دی ہے کہ آپ جنتی ہیں۔

اس پر انھوں نے کہا کہ میرا جو کچھ عمل ہے وہ تو تمھاری نگاہوں کے سامنے ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چلنے لگے تو پھر روک لیا اور کہنے لگے کہ ہاں' ایک بات ہے' کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے دشمنی اور کینہ نہیں ہے۔ میرا دل صاف ہے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہی وجہ ہے یا یہی وہ نیکی ہے جس کی وجہ سے آپ کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

گویا دل کا صاف ہونا اتنی بڑی نیکی ہے کہ تہجد جیسی عبادت سے بھی اس کی اہمیت زیادہ ہے اور بلندی درجات کا باعث ہے۔ یہاں تہجد کی اہمیت کم کرنا مقصود نہیں' بلکہ دل صاف ہونے کی اہمیت وفضیلت بتانا مقصود ہے۔ کینہ اور حسد تو ایسی چیز ہے کہ یہ تہجد جیسی عظیم عبادت کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ بہت بڑی نیکی ہے کہ دل صاف ہوں۔ اگر کہیں شکایت پیدا ہو تو ایک رات بھی نہ گزرے اور آدمی اپنا دل صاف کر لے۔ لوگ دل میں بھی رکھتے ہیں' اور ایک دوسرے سے کہتے بھی پھرتے ہیں۔ تین تین مہینے تک بلکہ مدتوں لوگ دل میں بات رکھتے ہیں۔ بات دل میں رکھنا' اور پھر اس کو پالنا پوسنا اور اس کو بیان کرتے پھرنا' اس سے تعلقات خراب ہوتے ہیں اور بہت ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ شکایات تو پیدا ہوتی ہیں' برتن ہوں گے تو کھڑکیں گے بھی' کوئی بات تو ایسی ہو ہی جائے گی' لیکن آدمی فوراً اپنا دل صاف کر لے اور اچھا گمان کر لے۔ کسی بات کی اگر کوئی تاویل ممکن ہو تو اچھی تاویل کر لے۔

کسی کی نیت کے بارے میں آدمی کبھی شبہ نہ کرے۔ کسی کی نیت کو ہم نہیں جان سکتے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی نیت خراب ہے۔ آدمی جب یہ بات کہتا ہے تو وہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے علم کا دعویٰ کرتا ہے' جو جائز نہیں۔ کسی کے دل میں کیا ہے؟ یہ تو فرشتے بھی نہیں جانتے۔ لوگ اکثر یہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا بات تھی' اس نے اس لیے مجھ سے یہ کہا' اور میرے ساتھ یہ معاملہ کیا' وغیرہ وغیرہ۔ کسی کے دل میں کیا ہے یہ تو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اسی غلط سوچ سے کینہ اور حسد پیدا ہوتے ہیں۔ کینے کو جب آدمی پالتا اور پروان چڑھاتا ہے' تو جیسے جیسے وہ اس کے بارے میں سوچتا ہے' اس سے حسد پیدا ہوتا ہے اور بہت ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ لہٰذا دل کو صاف رکھنا چاہیے۔ حضور ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے آکر شکایتیں مت کرو' لوگوں کی برائیاں مت کرو۔ میں چاہتا ہوں کہ میں مسلمان بھائیوں سے ملوں تو میرا دل بالکل صاف ہو۔ اس میں کسی کے لیے کوئی خرابی اور میل نہ ہو۔ اسی بات کے پیشِ نظر جو لوگ دوسروں کو لے کر چل رہے ہوں' قیادت کے منصب پر فائز ہوں' یا دوسروں کے ساتھ چل رہے ہوں' یا معاشرے کو چلا رہے ہوں' ان کو حسد اور کینے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

غصہ وغضب

تیسری چیز جو بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے' غصہ ہے۔ غصے اور غضب کی آگ بہت جلدی بھڑک اٹھتی ہے' اور جب بھڑکتی ہے تو بہت کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ یہ ایسی دیا سلائی ہے کہ ادھر سلگائی اور ادھر آدمی قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔ جسم غصے سے بے قابو ہو جاتا ہے' چہرہ سرخ ہو جاتا ہے' رگیں پھول جاتی ہیں' زبان سے جھاگ نکلنے لگتا ہے اور بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ اس سے جسم پر بھی اثر پڑتا ہے اور دل پر بھی بلکہ زبان' عمل اور برتاؤ میں' ہر چیز پر اثر پڑتا ہے۔ گھر میں آدمی ہو تو بے قابو ہو جاتا ہے۔ کھانے کے برتن اٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ ڈنڈا اٹھا کر بیوی کو مار دیتا ہے۔ اولاد پر غصہ آتا ہے تو بے دردی سے جھڑک دیتا ہے۔ اگر اجتماع میں بیٹھا ہو اور غصہ آ جائے تو ایک دم زبان بے قابو ہو جاتی ہے۔ طعن و تشنیع اور تمسخر پر اتر آتا ہے۔ غرض ہزار خرابیوں کی جڑ غصہ ہے۔

غصہ آنا کوئی بری بات نہیں۔ ایک لحاظ سے غصہ آنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آدمی اپنی غیرت اور دین کا تحفظ نہیں کر سکتا۔ غصہ بالکل فطری چیز ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آدمی کی فطرت میں شہوت رکھی ہے' خواہش رکھی ہے' اسی طرح غصہ بھی رکھا ہے۔ لہٰذا غصے کا آنا ایک فطری امر ہے' لیکن غصہ کو نکالنا اور غلط جگہ پر نکالنا' یہ وہ چیز ہے جس پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کا الگ الگ مزاج دیکھ کر اصلاح کرتے تھے' ہدایت دیتے تھے اور مشورے دیتے تھے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آ کر پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصہ مت کرو۔ اس نے پھر کہا کچھ اور۔ آپؐ نے فرمایا: غصہ مت کرو۔ تیسری دفعہ پھر پوچھا کہ کچھ نصیحت فرمایئے۔ تب بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ غصہ مت کرو۔

اس میں غصے سے بچنے کی اہمیت بھی ہے' اور یہ بھی کہ جو صحابی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے پوچھنے کے لیے آئے تھے' ان کا اپنا کوئی مخصوص مسئلہ ہو گا کہ آپ ﷺ نے ان کو اتنی زور دار تاکید فرمائی۔

آپ ﷺ نے غصے سے بچنے کی ترکیبیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی کو غصہ آ رہا ہو تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہو تو لیٹ جائے لیکن عملاً اس کے برعکس روش اپنائی جاتی

ہے۔ غصہ آئے تو اگر کوئی لیٹا ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے' اور اگر کھڑا ہو تو لاٹھی اٹھا لیتا ہے' اسلحہ تان لیتا ہے۔ غصے کے علاج کے لیے یہ طبعی نسخہ ہے کہ آدمی کھڑا ہو اور ہاتھ میں کچھ ہو تو اس کو فوراً چھوڑ دے کیوں کہ کچھ پتا نہیں چلتا کہ آدمی غصے میں کیا کر بیٹھے۔ اس لیے کہ غصے میں آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں' عقل ماری جاتی ہے اور دماغ بھی بے کار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہی ہدایت فرمائی گئی ہے کہ غصے کی حالت میں اگر کوئی شخص کھڑا ہے تو بیٹھ جائے' بیٹھا ہے تو لیٹ جائے' اور پانی سے وضو کر لے۔ وضو سے بھی غصہ دور ہو جاتا ہے۔ شیطان سے بھی اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اسی لیے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ غرض اس ضمن میں نبی ﷺ نے مختلف تعلیمات کی ہدایت فرمائی ہے۔

گھر میں بھی انسان کو اپنے غصے پر قابو پانا چاہیے۔ اگر بیوی آپ کے قابو میں دے دی گئی ہے تو اس پر غصہ نکال لیا' جہاں جو قابو میں ہے اس پر غصہ نکال دیا۔ اگر ملازم کو دیکھا تو کھڑے کھڑے اسے ڈانٹ دیا۔ اگر کوئی بڑا ہے' غصہ نہیں نکلا تو دن بھر جز بز ہوتے رہے۔ یہ دورنگی ہے۔

کمزور پر غصہ نکالنا تو بزدلی ہے۔ جو خود سر اور منہ زور ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ آدمی اس پر غصہ نکالے۔ جو کسی کے اختیار میں دے دیا گیا ہو' خواہ کوئی کارکن ہو یا دفتر کا ملازم' گھر کا نوکر ہو یا بیوی کی صورت میں ایک کمزور عورت' ان پر غصہ نکالنے کے بجائے آدمی اس پر غصہ نکالے جو اس سے طاقت ور ہو۔ بہادر تو وہ ہے جو اپنے سے طاقت ور پر غصہ نکالے لیکن آدمی اپنے سے کمزور کو تلاش کر کے غصہ نکالتا ہے' اور طاقت ور کے لیے دل میں کینہ رکھتا ہے کہ جب موقع ہوا تو وار کروں گا۔ اس طرح آدمی ایک سے دوسری برائی کے اندر مبتلا ہوتا چلا جاتا ہے۔

غصے پر قابو پانے اور معاف کرنے کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید نے عفو و درگزر دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت کا راستہ قرار دیا ہے اور ان لوگوں کو اس کی طرف دوڑ کر چلنے والے قرار دیا ہے جو خدا ترس ہوں' غصے کو پی جاتے ہوں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہوں۔ یہ وہی لوگ ہیں جو دل کے سخی ہیں' دن رات لوگوں کی خدمت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۳:۱۳۴)

''جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں''۔

جو لوگ جنت کی راہ پر کھڑے ہوں اور دوڑ لگا کر جنت میں داخل ہونا چاہتے ہوں' ان کے لیے یہ صفات لازمی ہیں۔ سخاوت کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ معاف کرنے کا بھی غصے سے بڑا تعلق ہے۔ معاف کرنا بھی سخاوت کی صفت ہے۔ جس کا دل بڑا ہوگا' وہ دل میں بہت کچھ سما سکتا ہے' نفرت پر قابو پائے گا' اور معاف بھی کر دے گا۔ جس کا دل چھوٹا ہوگا' تنگ ہوگا' وہ مال بھی نہیں دے گا' خدمت بھی نہیں کرے گا۔ ذرا سی بات ہوگئی' کسی کے منہ سے کوئی معمولی سی بات نکل گئی' کسی نے کچھ کہہ دیا کہ جس سے عزت و آن پر ذرا حرف آ گیا' وہیں اس کے تنگ دل میں غصے کا طوفان برپا ہو جائے گا۔ وسیع الظرف کے اندر غصے کا طوفان برپا نہیں ہوتا' اس میں سب کچھ سما جاتا ہے۔ تنگ دل میں ذرا سی بات پر غصے کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے' اور وہ معاف نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں معاف کرنے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ ۴۲:۴۰)

''پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کر لے' اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''

بدلہ لینے کی اجازت تو ہے لیکن فرمایا:

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا (الانعام ۶:۱۶۰)

''اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا''۔ گویا بدلہ' برائی کے برابر ہونا چاہیے' زیادہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک صحابی ؓ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے کہ میرے ملازم کام میں کوتاہی کرتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں' میں بھی کبھی کبھار ان کو ڈانٹ لیتا ہوں۔ روز محشر میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: قصاص ہوگا۔ تم نے جو کچھ ان کے ساتھ کیا یا انھوں نے جو کچھ تمھارے ساتھ کیا' برابر ہے تو پھر ٹھیک ہے' دونوں چھوٹ جائیں گے۔ اگر تم نے جو کچھ کیا وہ ان کے کرنے سے زیادہ ہوا تو تم پکڑے جاؤ گے۔ عام طور پر لوگ ملازمین کے ساتھ بری طرح پیش آتے ہیں۔ آدمی کہتا ہے کہ میں جس طرح چاہوں کروں' جس طرح چاہوں ڈانٹ دوں۔ حضور ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر تم نے زیادتی کر دی تو تمھارا مواخذہ ہوگا۔ یہ سن کر وہ صحابی ؓ رونے لگے۔ ایک گوشے میں جا کے بیٹھ گئے کہ میں تو تباہ و برباد ہو گیا' آیا کون دیکھے گا کہ ملازم نے اتنی زیادتی کی'

بیوی نے اتنی اور کیا میں نے اس کے برابر کیا ہے یا کہیں زیادہ تو نہیں کر بیٹھا۔ پھر انھوں نے آ کر ان سب غلاموں کو آزاد کر دیا کہ میں تو ملازمین کے ساتھ اور غلاموں کے ساتھ برابر کا برتاؤ نہیں کر سکتا۔

ایک دفعہ ایک صحابی ﷺ نے آ کر پوچھا کہ میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ ﷺ خاموش رہے۔ انھوں نے پھر پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ۷۰ مرتبہ۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جو لوگ رہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کبھی اف تک نہیں کہا۔ کبھی یہ نہیں کہا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کیوں نہیں کیا؟

حضرت ابوبکر ﷺ کی بیٹی پر جب تہمت لگائی گئی جو نبی ﷺ کی بیوی بھی تھیں اس میں ایک وہ صاحب بھی شریک ہو گئے جو حضرت ابوبکر ﷺ کے عزیز بھی تھے اور ان کو وہ کچھ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ اس بات کے معلوم ہونے پر حضرت ابوبکر ﷺ نے ان کا وظیفہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تعلیم دی اور فرمایا کہ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کر دے! لہٰذا جو آدمی صبح سے شام تک سو گناہ کرتا ہے اور ہم بھی کرتے ہیں اور پھر توقع رکھتے ہیں کہ ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، تو ہمیں بھی دوسروں کو زیادہ سے زیادہ معاف کرنا چاہیے۔ انسانوں کو معاف کرنے میں کنجوسی اور بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اگر آدمی کے اندر عفو و درگزر کی صفت ہو تو بھی غصہ پر قابو پانے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

بدگمانی بدگمانی سے بھی ہزاروں فتنے پیدا ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خبردار رہو، ہوشیار رہو، بدگمانی نہ کرو۔ قرآن مجید میں بھی کہا گیا ہے:

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات ۴۹:۱۲)

بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

دراصل بغیر کسی ثبوت کے کسی کے بارے کوئی رائے قائم کرنا ہے، یا جس بات کو ثابت نہ کیا جا سکتا ہو اس کو بیان کرنا، اس کی اجازت نہیں ہے حتیٰ کہ جو چیز ثابت بھی کی جا سکتی ہو، آنکھ سے دیکھی ہو، اس کا ذکر کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر کسی نے کسی کو زنا کرتے دیکھا ہے اور وہ تین گواہ نہیں لا سکتا تو وہ اس کو ذکر نہیں کر سکتا۔ اس پر ۸۰ کوڑوں کی حد نافذ ہو سکتی ہے۔ گویا دین کا منشا یہی ہے کہ برائی کی تشہیر نہ کی جائے۔

قرآن کریم میں بدگمانی سے روکا گیا ہے اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت ہے کیوں کہ گمان کا سر پاؤں نہیں ہوتا۔ گمان سے بڑی جھوٹی بات اور کیا ہو سکتی ہے، کہ آدمی جانتا ہو

کہ اس کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہے۔ سب سے بڑی بدگمانی نیت کے بارے میں ہے۔ اکثر لوگ اس مرض کے اندر مبتلا ہوتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس آدمی کی نیت ہی خراب ہے' اسی لیے میرے ساتھ ایسا کام کر رہا تھا یا کرنا چاہتا تھا۔ یہ بدگمانی ہے۔ بدگمانی بھی بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔

اخلاق حسنہ کے حصول کے ضمن میں آخری بات یہ عرض ہے کہ جو چیز ہمیشہ سامنے رکھنے کی ہے وہ زبان کی حفاظت ہے۔ بہت ساری احادیث میں اس کی تعلیم دی گئی ہے' اس کی ہدایت اور تاکید کی گئی ہے۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز جہنم میں کمر کے بل لوگوں کو گرائے گی' وہ زبان کی کمائی ہے۔ اس میں تمسخر اڑانا' برا بھلا کہنا تجسس' ٹوہ لگانا' بدگمانی کرنا' حسد' جلن' کڑھن اور غصے کا اظہار اور غیبت وغیرہ شامل ہیں۔

غیبت

ایک برائی جس کا میں خاص طور پر ذکر کروں گا جو بڑی عام ہے' وہ غیبت ہے۔ غیبت یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کی برے انداز میں اس کی پیٹھ پیچھے برائی کی جائے۔ اس کو بھی قرآن مجید نے برائیوں میں سے منتخب کر کے ذکر فرمایا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط (الحجرات ۴۹:۱۲)

اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔

یہ ایسے ہی ہے جس طرح آدمی مر جائے اور اس کی لاش پڑی ہو' تو کوئی شخص اس مردار کا گوشت کھانا شروع کر دے۔ غیبت اسی کی ہوتی ہے جو موجود نہیں ہوتا' اسی طرح مردار کی روح موجود نہیں ہوتی' اور آدمی نے اس کی برائی شروع کر دی۔

غیبت کی تعریف یہ نہیں فرمائی کہ کوئی شخص برا نہیں ہے یا اس کے اندر کوئی خرابی نہیں پائی جاتی ہے۔ عام طور پر لوگ یہی کہتے ہیں' اس کے اندر یہ برائی موجود ہے' میں تو اس کے منہ پر بھی کہہ سکتا ہوں۔ اگر اس کے اندر برائی موجود بھی ہے اور آپ اس کے منہ پر بھی کہہ سکتے ہیں'

تب بھی پیٹھ پیچھے کہنا غیبت ہے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا' کہ اگر وہ برائی اس کے اندر واقعی موجود ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر برائی اس کے اندر موجود نہیں ہے' تو پھر تم نے اس کے اوپر بہتان اور جھوٹا الزام لگایا' اور اگر برائی موجود ہے جبھی تو غیبت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی کا بھی گوشت حلال نہیں ہے' نہ بھائیوں کا' نہ گھر والوں کا' نہ بیوی بچوں کا۔ لہٰذا کسی کی بھی غیبت نہیں کی جاسکتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ٹرین میں سفر کر کے آتے ہیں اور گھر میں داخل ہوتے ہی کہنے لگتے ہیں کہ میرے ساتھ فلاں مسافر بیٹھا تھا۔ وہ ایسا تھا' اس نے ایسا کیا۔ کیا لوگوں کے پاس بہت نیکیاں جمع ہوگئی ہیں کہ جو سفر میں دو گھنٹے ساتھ رہا' اس کو جانتے بھی نہیں' اور خوامخواہ اس کو اپنی نیکیاں منتقل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو تو اصول بنالیں کہ کوئی آدمی خواہ شناسا ہو یا نا آشنا' بھائی ہو یا ماتحت' آقا ہو یا ذمہ دار' امیر ہو یا مامور' کسی کا بھی ذکر پیٹھ پیچھے برائی کے ساتھ نہیں کرنا۔

ایک طویل حدیث ہے جس میں ایک صحابی نے عرض کیا' یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے کہا کسی کو برا نہ کہو۔ اور اسی حدیث میں آتا ہے کہ کسی نیکی کو حقیر مت جانو۔ یہاں تک کہ اپنے بھائی سے ہنستے' مسکراتے' خندہ پیشانی سے ملو تو یہ بھی بڑی نیکی ہے۔ یہ حسن اخلاق ہے۔

مختصراً یہ کہ اخلاق کی تعریف مختلف حوالوں سے کی جاسکتی ہے اور اچھے اور برے اخلاق کی ایک طویل فہرست ہے جو بنائی جاسکتی ہے اور یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ مربوط بھی ہیں۔ ایک اچھے اخلاق سے اور بہت سارے اچھے اخلاق کی شاخیں پھوٹتی ہیں' اور کچھ برے اخلاق ایسے ہیں کہ جو جڑ کی حیثیت رکھتے ہیں' اور ان سے اور بہت سارے برے اخلاق کی جڑیں پھوٹتی ہیں۔ ان سب کا احاطہ کرنا اور ان سب کا بیان کرنا' نہ تو ممکن ہے اور نہ فرض۔ ایک فرد کی تربیت کے لیے صرف یہ ضروری ہوتا ہے کہ صرف چند بنیادی اور کلیدی چیزوں کو منتخب کرلیا جائے اور پھر ان پر پوری توجہ مرکوز ہو۔ تربیت کے لیے علم کی بہت بڑی مقدار کی بھی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ جو کچھ انسان سیکھتا جائے' اس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ عمل سے ہی تربیت ہوتی ہے نہ کہ محض سن لینے سے۔ وہ چیزیں جو جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں' وہ اگر ہاتھ آجائیں تو ان سے بہت ساری چیزیں ہاتھ آسکتی ہیں۔ لہٰذا جن پانچ چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے' یہ بڑی جامع ہیں۔ ان کا تعلق

باطن سے بھی ہے اور ظاہر سے بھی، نیز ان کا تعلق اللہ کے ساتھ بھی ہے اور بندے کے ساتھ بھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا جائزہ لیں۔ اگر ہمارے اندر جھوٹ پایا جاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو جھوٹ سے پاک کریں۔ اگر دل میں کبر ہے تو اس کو اس سے پاک کریں۔ حسد اور کینہ، غصہ و غضب، بدگمانی و تجسس اور غیبت سے بچیں۔ اپنی زبان کی حفاظت کریں، اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بھلی بات کہیں ورنہ خاموش رہیں۔

اعلیٰ اخلاق کے حصول کے لیے یہ پانچ بنیادی اوصاف ہیں جن کے پانچ اچھے پہلو اور پانچ برے پہلو ہیں۔ اگر ہم ان پانچ بنیادی اوصاف کو اپنا لیں، مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس کے نتیجے میں وہ چیز حاصل ہوگی جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ میزان میں سب سے بھاری ہوگی، یعنی اعلیٰ اخلاق۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ قیامت کے روز جو لوگ حضور ﷺ کے قریب ہوں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

منشورات

دعوت و عمل کے میدان میں آپ کے ساتھ ساتھ

تعمیر سیرت سیٹ

75 روپے

18 مختصر کتابیں، خوب صورت بکس میں

❁ اپنی تربیت کیسے کریں؟ ❁ تربیت و تزکیہ ❁ قرب الٰہی ❁ اللہ کا ذکر ❁ قیام اللیل
❁ شب بیداری ❁ قرآن کا پیغام ❁ آخری وصیت ❁ عہد وفا ❁ چالیس احادیث
❁ قرآن کا اجتماعی مطالعہ ❁ تقویٰ کی زندگی ❁ رب کے در پر ❁ نالۂ نیم شب
❁ جہاد کی پکار ❁ زندگی کی ترجیحات ❁ محاسبہ نفس ❁ تربیت کی پہلی منزل

دعوت و تنظیم سیٹ

60 روپے

12 مختصر کتابیں خوب صورت بکس میں

☆ سچی بات ☆ دعوت کے نشان راہ ☆ چند تصویریں سیرتؐ کے البم سے ☆ انقلاب کا راستہ
☆ انقلاب کی دستک ☆ پاکستان کہاں کھڑا ہے؟ ☆ ہم کیسا پاکستان بنائیں ☆ مؤثر تنظیم
☆ ٹیم ورک ☆ سستی اور کاہلی ☆ آج کا داعی کل کا قائد ☆ کارکنوں کے اوصاف

مزید تفصیلات کے لیے ہماری فہرست طلب کریں

نقد یا ڈرافٹ کے ساتھ آرڈر دیں یا وی پی طلب کریں

ہیڈ آفس منشورات، منصورہ ملتان روڈ، لاہور۔ فون: 5425356 فیکس: 5432194 ای-میل: manshurat@hotmail.com

کراچی تیسنٹ بک پوائنٹ، A/57 بلاک 5، گلشن اقبال